دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کا علمی و دینی مجلہ

ماہنامہ الحق

سرپرست: شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق بانی و مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پشاور

مؤتمر المصنّفین کی تازہ عظیم اور شاہکار پیشکش

ایک نادر تحفہ ——— ایک عظیم خوشخبری

حقائق السنن

جلد اوّل

(شرح جامع السنن للامام الترمذی)

- افادات ـــ محدث یگانہ علامۂ عصر شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ بانی دارالعلوم حقانیہ۔
- باہتمام و نگرانی ـــ مولانا سمیع الحق مدیر الحق و صدر مؤتمر المصنّفین۔
- ترتیب و مراجعت ـــ مولانا عبدالقیوم حقانی۔

حدیث کی جلیل القدر کتاب جامع ترمذی شریف سے متعلق شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ کے درسی افادات و امالی کا عظیم الشان علمی سرمایہ اردو زبان میں پہلی بار منصہ شہود پر۔ اہل علم، اساتذہ اور طلباء دورۂ حدیث ایک زمانہ سے اس کے انتظار میں تھے۔

چند خصوصیات

- حدیثی و فقہی مباحث کا شاہکار
- معرکۃ الآراء مباحث پر فقیہانہ اور حکیمانہ کلام
- نقد احادیث کے نادر مباحث کا ذخیرہ
- حدیث سے متعلق سیر حاصل مباحث پر مشتمل مقدمہ
- مسلک احناف کے ٹھوس دلائل اور تشفی بخش تشریح
- چالیس سالہ تدریسی معارف و نکات کا مجموعہ۔
- انداز بیان نہایت عام فہم اور سادہ
- نہایت تحقیقی تعلیقات اور اضافے۔

۲۲ × ۲۹ سائز کے پانچ سو چھتیس ۵۳۶ صفحات پر مشتمل پہلی جلد جامع ترمذی کے الطہارات کے ایک سو گیارہ ۱۱۱ ابواب پر مشتمل ہے۔

کاغذ، کتابت، طباعت، جلدبندی ہر لحاظ سے معیاری اور شاندار۔
طباعت کے مراحل سے گذر کر بہت جلد منظر عام پر آرہی ہے۔ انشاء اللہ۔

مؤتمر المصنّفین دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع پشاور

اے بی سی (آڈٹ بیورو آف سرکولیشن) کی مصدقہ اشاعت

لہٗ دعوۃ الحق

فون نمبر: دارالعلوم ۔ ۴ قرآن وسنت کی تعلیمات کا علمبردار فون نمبر: رہائش ۔ ۲

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

جلد نمبر : ۱۹
شمارہ نمبر : ۸

شعبان المعظم ۱۴۰۴ھ
مئی ۱۹۸۴ء

مدیر : سمیع الحق

اس شمارے میں

بدل اشتراک
پاکستان میں سالانہ ۔/۴۵ روپے ۔ فی پرچہ ۵۰/۳ روپے
بیرون ملک سالانہ عام ڈاک ۴ پونڈ ہوائی ڈاک ۷ پونڈ

سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ آغاز

آہ ! حضرت ناظم صاحب

حیف صد حیف کہ ۸ - ۹ مئی ۱۹۸۴ء مطابق ۶ - ۷ شعبان ۱۴۰۴ھ درمیانی شب کو ایک ایسے خادمِ دینِ متین نے ہم حرماں نصیبوں کو داغِ جدائی دیا کہ جس کی زندگی کا دو تہائی حصہ گلشن علومِ نبوت دارالعلوم حقانیہ کی آبیاری اور اس چمنستانِ قرآن وسنت کی آرائش وزیبائش میں صرف ہوا ، دارالعلوم کے تقریباً ۴۰ سالہ زندگی کے ہزاروں فضلاء اور طلباء کی آرام وراحت تعلیم وتربیت اور خدمت میں جن کے جسم کا رُواں رُواں مصروفِ لیل ونہار رہا ، اور جو اس شجرِ طوبیٰ کے اوّلین مالی اور اس کارگاہ علم وفضل کے اساسی ناظم تھے ۔ خادمِ علم ودین ناظم اعلیٰ دارالعلوم حضرت مولانا الحاج سلطان محمود صاحب قدس اللہ سرہٗ العزیز کے ان فضائل وکمالات کا دارالعلوم سے معمولی تعلق رکھنے والا ہر ہر فرد بھی نہ صرف معترف رہے گا بلکہ انشاء اللہ یوم الاشہاد میں بارگاہِ احکم الحاکمین میں شہادت سے بھی دریغ نہیں کرے گا۔ کہ اے اللہ تیرے اس زار ونزار نحیف و ناتواں بندہ نے تیرے دین کے اس خادم ادارہ کی تعمیر وترقی میں زندگی کی ساری قوتیں اور توانائیاں بے دریغ لٹا دیں ۔ تیری رحمتِ لامتناہی سے کیا بعید ہے کہ اس "شہیدِ دارالعلوم" کو آج شہداء وصدیقین کے لئے مخصوص انعامات سے نوازا جائے ۔

مولانا سلطان محمود صاحب کی عمر تقریباً ساٹھ برس تھی وہ اکوڑہ خٹک کے ایک مضافاتی گاؤں منلکی کے ایک غیر معروف گمنام اور غریب گھرانے میں پیدا ہوئے جو دینی علوم سے وابستہ نہیں تھا۔ مگر اللہ نے آگے چل کر ان سے علومِ دینیہ کی خدمت لینا تھی تو اللہ نے انہیں تحصیلِ علم میں لگا دیا۔ ابتدائی تعلیم علاقہ کے مختلف علماء سے حاصل کرتے رہے ۔ حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ کے تدریس دیوبند سے قبل بھی انہیں ان سے شرفِ تلمذ حاصل ہوا تقسیم سے دو سال قبل ہندوستان جاکر مظاہر العلوم سہارنپور میں داخلہ لیا۔ وہاں شرح جامی مختصر المعانی ہدایہ اولین مقامات سلم ، ملاحسن وغیرہ پڑھیں اور سالانہ امتحانات دیئے ۔ اس دوران دیگر اکابر اساتذہ کے علاوہ اس وقت کے صدر المدرسین شیخ الحدیث مولانا عبدالرحمان کاملپوری ؒ سے ملاحسن پڑھنے کی سعادت بھی پائی ۔

تعطیلِ رمضان میں گھر آئے تو ملک تقسیم ہوگیا ۔ اور حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہٗ کی خدمت

میں حاضر ہوئے اور ایسے وابستہ ہوئے کہ حیاتِ مستعار کی دمِ آخرین تک انہی کے ہو کر رہ گئے۔ ادھر دارالعلوم کا قیام عمل میں آیا تو آپ اس کے گنے چنے اولین طلبہ میں شامل تھے ان سالوں میں دورۂ حدیث کے علاوہ مشکوٰۃ شریف ہدایہ اخیرین وغیرہ بھی حضرت مدظلہ خود ہی پڑھاتے تھے تو پہلے سال موقوف علیہ کتابیں بھی حضرت ہی سے پڑھیں۔ دوسرے سال ۱۳۶۸ھ میں پورا دورۂ حدیث شریف بھی حضرت سے پڑھ لیا، بعد فراغت تکمیلِ علم کے شوق میں بیضاوی شریف تلویح توضیح میں داخلہ لیا، اساتذہ وعملہ سے متعلق فائلوں میں جسے وہ خود مرتب کرتے تھے۔ اپنے متعلق فائل میں تحریر فرماتے ہیں کہ :

"مہینہ ڈیڑھ بعد حضرت الشیخ مدظلہم العالی نے ازراہِ شفقت وکرم نوازی دارالعلوم کے دفتر میں خدمت کرنے کا حکم فرمایا۔ چنانچہ ۱۳۶۸ھ کے آخر میں ناظم دفتر اہتمام کی حیثیت سے مبلغ آٹھ روپے مشاہرہ پر تقرر ہوا۔"

یہاں سے خدمت دارالعلوم کا دور شروع ہوا جو ابتدائی دور تھا اور ہر لحاظ سے بے سروسامانی کا عالم دو چار کاپیوں پر مشتمل چھوٹا سا بستہ دارالعلوم کے حساب کتاب اور انتظامی امور کا سارا ریکارڈ تھا جسے ناظم صاحب بغل میں لئے پھرتے تھے اور فارغ ہو جاتا تو مسجدِ قدیم کے ایک بوسیدہ طاقچہ میں رکھ دیتے۔ اکاؤنٹ اور آڈٹ ان کا فن نہیں تھا مگر قدرت نے کام لینا تھا۔ تو از خود حساب کتاب کے ایسے طریقے اور گُر نکالتے رہے کہ آڈٹ والے بھی دیکھ کر حیران رہ جاتے رفتہ رفتہ وہ ملکہ حاصل ہوا کہ بڑے بڑے گوشواروں پر ایک نظر ڈالنی کافی ہو جاتی اور جمع تفریق کر لیتے۔ اس بیماری کے آغاز میں دماغی امراض کے ایک دو ڈاکٹروں کو دکھاتے ہوئے میں نے ان کے اس وصف کا ذکر کیا تو انہوں نے تشخیصِ مرض کے طور پر لمبے چوڑے اعداد وشمار پر مبنی سوالات کئے اور فی البدیہہ جواب سن کر یہ کہتے ہوئے دنگ رہ گئے کہ واقعی یہ تو کمپیوٹر ہیں۔ دارالعلوم کے لاکھوں روپے کا نہایت باضابطہ اور صاف ستھرا حساب کتاب رکھنے میں ان کا اہم اور نمایاں وصف دیانت اور امانت تھا، جسے ایمانی زندگی کی روح کہنا چاہئے۔ گویا وہ مجسمۂ دیانت اور پیکرِ امانت تھے۔ چالیس سال کے ان لمبے چوڑے حسابات میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی کہ ایک حبّہ یا ایک پائی بھی دانستہ ان سے ضائع ہوئی ہو۔ وہ تمام مصارف اور بلوں پر کڑی نگاہ رکھتے تھے۔ اور جب قویٰ مضبوط تھے تو راتوں کو اٹھ اٹھ کر دارالعلوم کے احاطوں میں گھومتے کہ کہیں بے جا بلب یا پنکھا تو نہیں چل رہا یا کوئی اور چیز غلط مصرف میں خرچ نہ ہو اس لحاظ سے وہ طلبہ میں سخت گیر سمجھے جاتے تھے، وہ طلباء کی حرکات وسکنات پر کڑی نگاہ رکھتے، کوئی نامناسب بات دیکھتے تو سرزنش کرتے۔ یہ نہ ہو سکتا تو دل ہی دل میں کڑھتے اور بہت حساس

ہونے کی وجہ سے تڑپتے ہوئے دکھائی دیتے، تیسرا نمایاں وصف ان کی تواضع اور انکساری تھی وہ ایک مستند عالم اور ایک عظیم ادارہ کے ناظم اعلیٰ تھے بیشمار طلبہ اور فضلاء کے منظورِ نظر بننے کے باوجود کسی ادنیٰ سے ادنیٰ خدمت کیلئے بھی خود دوڑتے، ضرورت پڑتی تو دفتر میں اپنی سیٹ چھوڑ کر مہمانوں کے سامنے برتن رکھتے اٹھاتے اور موقعہ ملتا تو ہاتھ دُھلواتے میں بھی سبقت لے جاتے۔ کہیں بھی کسی خدمت کی ضرورت پڑتی اور کوئی نہ ملتا تو خود کمر باندھ لیتے، ابتدائی دور میں تو مجھے خوب یاد ہے کہ گاؤں سے دو تین میل پیدل پہنچتے ہی بازار سے مطبخ کا سودا سلف کا ٹوکرا سر پر اٹھائے ہوئے گھر کے دروازہ پر دستک میں لگے رہتے (کہ اولین سالوں میں طلبہ کیلئے ہمارے گھر ہی میں کھانا پکانے کا نظم تھا۔) یہ سب کچھ اس وجہ سے کہ وہ دارالعلوم میں اپنی ذات کو فنا کر چکے تھے اور ان کے رگ و ریشہ میں دارالعلوم ہی رچا لبسا تھا شاید اللہ تعالیٰ کو اسی وجہ سے ان کا لاولد رہنا منظور تھا کہ دنیا کے سارے علائق سے الگ تھلگ رہ کر اس مہمان خانۂ علومِ نبوت علیٰ صاحبہا الف الف تحیۃ کے بناؤ سنگھار میں مصروف رہیں۔

انہیں اس بات کا افسوس رہتا کہ خود دینی علوم کے درس و تدریس سے محروم رہے۔ مگر یہ اطمینان تھا کہ ان کی ساری جسمانی اور ذہنی توانائیاں مدرسین، علماء و مبلغین کی خدمت میں خرچ ہو رہی ہیں آج کون کہہ سکتا ہے۔ کہ دارالعلوم کے تین ساڑھے تین ہزار فضلاء کی ہمہ گیر دینی خدمت میں ناظم صاحب مرحوم کا حصہ نہیں ہوگا۔ یہ سب کچھ انشاء اللہ ان کے نامۂ حسنات میں بھی شامل ہوگا۔

مرحوم ناظم صاحب بڑے انتظامی امور کے ناظم اور حسابات کے منشی نہیں تھے بلکہ اس خشک مشغلہ کے باوجود دل پُر سوز رکھتے تھے، عبادات میں شب و روز منہمک زہد و تقویٰ کا ایک نمونہ تھے، وہ نیکیوں کے کسی میدان میں بھی پیچھے نہیں رہنا چاہتے تھے۔ گرمی اور دن بھر کی تھکاوٹ کے باوجود رمضان کی راتیں شب خیزی میں گذرتیں، پچھلے رمضان میں بھی آخری رات تک کہیں نہ کہیں ختم تراویح کا معلوم کر کے پہنچتے اور قیام اللیل کی سعادت پاتے۔ کہیں کسی مردِ کامل کی صحبت میسّر آتی تو اسے غنیمتِ عظمیٰ سمجھ کر اس کے قدموں کی خاک بننے کی کوشش کرتے قیامِ حرمین کے دو چار ماہ کا موقع ملا تو شیخ مدینہ طیبہ مولانا عبدالغفور عباسی قدس سرہٗ کے دامنِ فیض سے وابستہ رہے۔ ان کے مہمانوں کے مطبخ اور کمروں کی صفائی وغیرہ کا ایسا ذمہ لیا کہ آخر تک شیخ مدینہ انہیں پیار و محبت اور دعاؤں سے یاد کرتے رہے۔ حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ کے تو وہ دست و بازو تھے اور کتنے عظیم امور اور ذمہ داریاں ہوتیں جنہیں وہ ناتواں کاندھوں پر اٹھائے ہوئے حضرت مدظلہٗ کا سہارا بنے رہتے۔

مگر دنیا فانی ہے، دین کا کام کسی فردِ واحد سے اللہ نے وابستہ نہیں رکھا، اللہ کو اتنی ہی خدمت لینی منظور تھی گذشتہ عید الاضحیٰ کو حسبِ معمول حضرت مدظلہٗ اور ان کے خدام و اراکین کو عیدگاہ سے واپسی پر اپنے گھر میں "دعوتِ شیراز" پیش کی، دوسرے دن بھی طلبہ کی قربانیوں اور گوشت وغیرہ کا انتظام خود کیا۔ تیسرے دن صاحبِ فراش ہوگئے۔ دماغی ضعف، دورانِ سر وغیرہ کا عارضہ بڑھتا گیا۔ طب جدید و قدیم دونوں قسم کے معالجوں کا علاج ہوتا رہا مگر وہ گرتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ ہوش و حواس بھی جواب دینے لگے۔ ۱۴ اپریل کو اسلام آباد جاتے ہوئے انہیں گاڑی میں ساتھ لے گیا۔ ایک دو ممتاز ڈاکٹروں نے دیکھا اور مشورہ دیا کہ لاہور کسی دماغی امراض کے ماہر کے پاس لے جانا بہتر رہے گا۔ چنانچہ لاہور لے جائے گئے جہاں کے جنرل ہسپتال کے ڈاکٹر بشیر احمد جو مشہور نیوروسرجن ہیں نے اپریشن کیلئے داخل کیا، ان کا خیال تھا کہ دماغ میں رسولی ہے، ٹیسٹ اور ایکسروں نے ان کے خیال کی تائید کی۔ چند دن بعد سر کا اپریشن ہوا آخر تک انتہائی نگہداشت کے وارڈ میں رکھے گئے۔ ہوش آنے پر ڈاکٹر بے حد مطمئن تھے کہ جلد شفایاب ہوں گے۔ مگر اللہ کو منظور تھا کہ یہ تھکا ماندہ زار و نزار بندہ اب ابدی راحتوں سے ہمکنار ہو جائے رات کو پونے ایک بجے روح پرواز کر گئی۔ صبح ایمبولینس کے ذریعہ لاش لاہور سے روانہ ہو گئی، ہمیں دس بجے یہ وحشتناک اطلاع ملی، تجہیز و تکفین اور تدفین کا انتظام شروع کر دیا گیا۔ دورۂ حدیث کے امتحانات کا آخری دن تھا، باقی اکثر طلبہ بوجہ تعطیل چلے گئے تھے، جہاں جہاں ممکن تھا اطلاع دے دی گئی ریڈیو اور ٹی وی نے بھی اعلان کرنے میں تعاون کیا۔ بعد از نمازِ عصر گھر سے جنازہ اٹھا کر پہلے دار العلوم کے صحن میں رکھا گیا۔ کثرتِ ہجوم سے صحن کی وسعتیں تنگ ہوگئی تھیں۔ اور ایک جھلک دیکھنے درسگاہوں کی چھتوں پر بھی ٹھٹ کے ٹھٹ لگ گئے تھے۔ دیدارِ عام کے بعد دار العلوم سے ملحق عیدگاہ شہر میں حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ نے جنازہ پڑھایا، دور دراز اور اطراف و اکناف کے ہزاروں علماء، صلحاء، مہتممین و اساتذۂ مدارس عربیہ اپنے اس عظیم خادم کے جنازہ میں شریک تھے۔

ناظم صاحب کی ہمیشہ یہ خواہش رہتی کہ دار العلوم کے لئے ایک مخصوص الگ قبرستان ہو۔ بڑی سوچ اور تلاش کے بعد میری نگاہِ انتخاب موجودہ خطہ پر ٹھہر گئی، ناظم صاحب کو معلوم ہوا تو خوشی سے اچھل پڑے اور نہایت اطمینان کا اظہار کیا اور بار بار کہتے "مولانا کہیں ہمیں بھول نہ جائیں ہمارا حصہ بھی اس میں رکھنا ہے۔" کسے معلوم تھا کہ وہ اس خطۂ صالحین کے پہلے مہمان اور اس بقعۂ خیر کے اولین دفین ہوں گے۔ ناظم صاحب مقبرہ دار العلوم کے اس خطہ میں سپردِ خاک کئے گئے، سرہانے عیدگاہ کی دیوار، پائنتی دار الحفظ و التجوید جو شب و روز قرآن کے زمزموں سے گونجتا رہتا ہے۔ اور دائیں طرف بجانب قبلہ جسدِ مبارک سے متصل

عیدگاہ کی سیڑھیاں جو اللہ کے سامنے سربسجود ہونے والے ہزاروں نمازیوں کی گذرگاہ بنتی ہیں۔ بائیں جانب خالی حصہ میں خدا جانے کن کن ارواحِ صالحین اور عباد مقربین کی ابدی آرام گاہیں بنیں گی۔ رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ فمنھم من قضی نحبہ ومنھم من ینتظر۔ وہ دارالعلوم کے تھے اور اپنی خاکِ پاک بھی خاکِ دارالعلوم میں فنا کر گئے۔ جگر نے ایسے ہی موقع کے لئے کہا ہوگا ؎

جان ہی دے دی جگر نے آج پائے یار پر
عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

قبر تیار ہوگئی تو حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ کو سہارا دے کر سرہانے پشتۂ دیوارِ عیدگاہ پر بٹھا دیا گیا۔ سامنے غمزدگان کا ہجوم تھا۔ حضرت شیخ مدظلہٗ نے اپنے اس جان نثار خادم کے بارہ میں گلوگیر آواز میں فرمایا:

"مولانا سلطان محمود ہمارے اچھے رفیق، اچھے ساتھی اور بہت دیانتدار تھے۔ آج جو آپ کو دارالعلوم کے وسیع شعبہ جات اور خدمات نظر آتے ہیں، اور بہت سے امور میں جو حضرت ناظم صاحب اور ان کے رفقاء کے خلوص، للہیت، تقویٰ، دیانت اور امانت کی برکتیں ہیں۔ دارالعلوم کو صرف علاقہ سے نہیں سارے ملک اور ملت سے واسطہ رہتا ہے اور رکھنا پڑتا ہے۔ ناظم صاحب نے یہ واسطہ بڑے احسن طریقہ سے نبھایا۔ مرحوم کی وفات ہمارے لئے دارالعلوم حقانیہ، اساتذہ، طلبہ اور تمام وابستگان کیلئے ایک بہت بڑی مصیبت ہے، اللہ پاک اس کے بدلے صبر اور صابرین کا اجر عطا فرماوے۔ دینی مدارس کا تو اللہ محافظ ہے۔ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون۔ خدا تعالیٰ جس سے چاہتا ہے دین کی خدمت لے لیتا ہے ہمارے ناظم صاحب سے خدا نے دین کی خدمت لے لی، بڑے خوش نصیب تھے جن کو خدا نے اتنی عظیم خدمت کیلئے چن لیا تھا۔ ناظم صاحب کی خوبیاں، کمالات اور خدمات ہمارے بیان سے باہر ہیں۔ بہر حال کل من علیہا فان ویبقیٰ وجہ ربک ذوالجلال والاکرام۔ ہم اللہ تعالیٰ کے امر پر راضی ہیں اور صابر ہیں۔ آپ سب کو خدا کے امر پر راضی رہنا چاہئے۔ دارالعلوم کی ہمہ گیر دینی خدمات یہ سب حضرت ناظم صاحب کیلئے صدقۂ جاریہ ہیں مرحوم نے دارالعلوم کی بڑی خدمت کی، دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ دارالعلوم کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ ناظم صاحب سے راضی ہوجائے اور انکی قبر کو جنت کے باغوں میں سے باغ بنا دے۔ آمین۔"

سورج غروب ہو رہا تھا کہ ہم حرماں نصیب، علم و عمل، زہد و تقویٰ، اخلاص و ایثار کے اس پیکر اور آسمانِ دارالعلوم کے اس آفتاب و ماہتاب کو سپردِ خاک کر گئے۔ فرحمہ اللہ ورضی عنہ وارضاہ

سمیع الحق
۲۹ شعبان ۱۴۰۴ھ

ایک مطالعہ، ایک تاثر

از ریٹائرڈ میجر امیر افضل خان صاحب

قادیان سے اسرائیل تک

سازشیں ہی سازشیں

جناب صدیق اکبر کی حکمت عملی پہ مضمون شائع کرنے کا شکریہ!

حسب وعدہ ماہ رمضان کے لئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی فوجی زندگی کا جائزہ پیش کرنا تھا۔ لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ اب پوری قوم قادیانی سازش کے قلع قمع پر لگ جائے۔ اس لئے راقم کے سامنے اس بھیانک سازش سے چند پردے اٹھے ہیں۔ ان سے آپ کے ذریعہ سے قوم کو آگاہ کرنا ضروری ہے۔

مجھے بریگیڈیئر تفضل صاحب کے ذریعہ سے آپ کی کتاب "قادیان سے اسرائیل تک" ملی۔ اور میں نے نہ صرف اس کو خود مطالعہ کیا بلکہ کئی اور صاحب ایمان لوگوں کو بھی پڑھنے کے لئے دی۔ یہ کتاب لکھ کر آپ اور آپ کے دارالعلوم کے سب لوگوں نے اپنی آخرت کے لئے اپنے نیکیوں والے پلڑے کو بھاری کر دیا۔ اس پہ لاکھ لاکھ مبارک۔ بے شک راقم اور میرے کئی کرم فرما ان باتوں میں سے اکثر کو جانتے تھے۔ اور شک تو پہلے بھی کوئی نہ تھا۔ لیکن اس سازش کی کڑیوں کو ملانے کا جو کام آپ نے کر دکھایا ہے۔ یہ ایک عظیم قومی خدمت ہے۔

یہ کتاب آپ پر اثرات چھوڑتی ہے اور مجھ پر اس کتاب کے جو اثرات ہوئے ان پر ایک کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ لیکن یہاں پر یہ گناہ گار صرف چند واقعات کا ذکر کرے گا۔ کہ اس کتاب نے میری کئی الجھنوں کو ختم کر دیا۔ اور مجھے کئی باتوں کے جواب مل گئے۔ کیونکہ یہ باتیں ایسی ہیں جن کا آپ نے براہ راست اپنی کتاب میں ذکر نہیں کیا۔ اور اس کتاب کے پڑھنے سے میرے دل میں جو روشنی پیدا ہوئی۔ اس کی مدد سے مجھے جواب مل گئے یا راز کھل گئے تو ان میں چند کا ذکر حسب ذیل ہے:۔

میں تحریک پاکستان کا آدمی ہوں۔ اور میں نے مسلم لیگ میں نہ صرف کھل کر حصہ لیا بلکہ اپنی فوجی زندگی میں برٹش انڈین آرمی کے مسلمان فوجیوں تک پاکستان کا پیغام پہنچایا۔ اور اس کے ثبوت موجود ہیں۔ بلکہ اپنے علاقہ میں خضر حیات ٹوانہ اور اس کے حواریوں سے ٹکر لی۔ اس لئے مجھ پر یہ الزام نہیں لگ سکتا کہ میں مسلم لیگی حضرات میں سے کچھ کو برا بھلا کیوں کہہ رہا ہوں۔ لیکن سوالات اور الجھنیں مندرجہ ذیل ہیں:۔

۸

۱۔ مسلم لیگ میں کافی زیادہ قادیانی، بے دین لوگ۔ ٹوڈی۔ ابن الوقت یا بے اصول لوگ بھی تھے۔ گو اس وقت ہم خیالی کی وجہ سے ان لوگوں کو "اپنا" سمجھتے تھے۔ لیکن پاکستان بننے کے بعد ان لوگوں نے پاکستان میں اسلام کو نہ نافذ ہونے دیا۔ اور پاکستان میں قیادت ہمیشہ سے بے دین لوگوں کے ہاتھ رہی۔ اب پہلی دفعہ سربراہ ملک دین اسلام کا نام لے رہا ہے۔

۲۔ تحریک پاکستان کے وقت کافی زیادہ مذہبی لوگ اور مذہبی جماعتیں مثلاً احرار، خاکسار، جمعیت علمائے ہند اور جماعت اسلامی وغیرہ مسلم لیگ سے الگ رہیں۔ کیا یہ سب غدار تھے؟ نہیں ہرگز نہیں معلوم ہوتا ہے انگریز کی کسی سازش کے تحت ان لوگوں کو مسلم لیگ سے دور رکھا گیا وغیرہ۔ یا ان لوگوں کو امید نہ تھی کہ لیاقت علی اور دولتانہ قسم کے لوگ کوئی اسلامی ملک بنا لیں گے یا چلا سکیں گے۔ اور یہ بات پوری بھی ہوئی۔

۳۔ قادیان کو کیوں نہ پاکستان میں شامل کیا گیا۔ لیکن قادیانیوں کو پاکستان میں مراعات دی گئیں اور وہ پاکستان پر آکر چھا گئے۔

۴۔ جس دن ۱۹۴۷ء میں سرحد کے مجاہدین نے مظفر آباد والے راستے سری نگر وغیرہ کی طرف حملہ کیا۔ اسی دن پنجاب کے مجاہدین نے سیالکوٹ کے محاذ سے جموں وغیرہ کی طرف حملہ کرنا تھا۔ اس حملہ کو کیوں روک دیا گیا اور سیالکوٹ کے قادیانی ڈپٹی کمشنر ایم ایم احمد (غلام کذاب کا پوتا) نے اس سلسلہ میں کیا کیا رکاوٹیں پیدا کیں۔

۵۔ انگریز کمانڈر انچیف نے قائد اعظم کا وہ حکم کیوں نہ مانا کہ جموں کٹھوعہ سڑک کاٹ دی جائے اور بھاگتی فوج کو کشمیر نہ آنے دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو قادیان کا علاقہ میدان جنگ بن جاتا —— اور سازش یہ ہے کہ قادیان کو تب پاکستان میں شامل کیا جائے جب چھوٹا سا "قادیانی پاکستان" باقی رہ جائے۔

۶۔ کیا اسی سازش کے تحت پاکستان بننے کے بعد سیالکوٹ میں ایسے انگریز پرست افسر تعینات کئے گئے جنہوں نے سیالکوٹ سے مجاہدین کو جموں۔ کٹھوعہ سڑک کی طرف نہ جانے دیا۔ کہ قادیان کو کوئی خطرہ نہ بنے؟

۷۔ کیا ستمبر ۱۹۶۵ء یا دسمبر ۱۹۷۱ء میں بھی کسی سازش کے تحت سیالکوٹ سے کوئی جارحانہ کارروائی نہ کی گئی کہ قادیان میدان جنگ نہ بن جائے۔ اور دونوں جنگوں میں اپنے بڑے علاقے بھارت کے حوالے کر دیے گئے اور اپنے لوگ بے گھر ہوگئے۔

۸۔ یہ سازش جاری ہے۔ اور گو آپ نے اپنی کتاب میں سیدھے طور پر اس کا ذکر نہیں کیا۔ لیکن اپریل کے ماہنامہ الحق میں زخمی سانپ کا ذکر کرکے قوم کو تنبیہ کی ہے اور اصلی سازش بھی یہی ہے کہ اب قادیانی "چھپ" گئے ہیں یعنی ان میں سے اکثر تو پچھلے پچاس سالوں سے مسلمانوں کا روپ دھارے ہوتے ہیں۔ اور ربوہ میں ایک الگ رجسٹر میں ان کے نام ہوتے ہیں بلکہ ایسے بے دین لوگوں کے نام بھی ہوتے ہیں جو قادیانی کی مدد کرتے رہتے ہیں۔ خاص کر وہ لوگ جو اپنی بہن یا بیٹی کا رشتہ کسی پکے قادیانی یا چھپے ہوئے قادیانی کو

دیتے ہیں۔ وہ زیادہ خطرناک ہیں۔ اور کوشش یہ ہو رہی ہے کہ ایسے چھپے ہوئے قادیانی حکومت کے شجرہ ونسب میں اوپر آجائیں اور ایک دن حکومت پاکستان پر ان کا قبضہ ہو جائے۔

۹ - یہ پاکستان خواہ کتنا ہی چھوٹا ہو۔ اور صرف پنجاب تک ہی محدود رہو۔ یا سندھ کا کچھ علاقہ اس میں شامل ہو۔ بہرحال اسی سازش کے تحت مشرقی پاکستان کو الگ کیا گیا۔ کہ ڈھاکہ کی آخری کانفرنس میں جنرل یحیٰ کا مشیر خاص ایم ایم احمد تھا۔ اسی سازش کے تحت پختونستان ۔ سندھو دیش۔ اور بلوچ قومیت کے نعرے لگتے ہیں۔ اور ایسی ہی سازشوں کے تحت ہم فرقہ وارانہ جھگڑوں میں پڑ جاتے ہیں۔ کہ آج جب ہم ختم نبوت کے سلسلہ میں متحد ہوئے ہیں تو بریلوی اور دیوبندی گروہ بندی کے تحت قوم کو بانٹا جا رہا ہے۔

۱۰ - لطف کی بات یہ ہے کہ بعض دفعہ اَن جانے ہم اِن سازشیوں کے ہاتھوں میں کھیلتے رہتے ہیں اور کسی حقیقت کو تسلیم نہیں کرتے۔ اب بات سیدھی ہے کہ انگریز یعنی برٹش خفیہ سروس، قادیانی اور پاکستان کے بے دین یا بے اصول آدمی ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں ۔ اور ان میں کچھ اقدار مشترک ہیں۔ راقم اس سلسلہ میں ۱۹۷۹ء میں نوائے وقت میں مضمونوں کا ایک سلسلہ شائع کروا چکا ہے۔ کہ لیاقت علی۔ ظفر اللہ۔ سکندر مرزا اور انگریز جنرل کا تھورن پاکستان بننے کے بعد کسی طرح پاکستان کے کرتا دھرتا بن کر انگریزوں کے ہاتھوں میں کھیلتے رہے ۔ اور پاکستان کو مضبوط نہ ہونے دیا۔ یعنی پاکستان کو لنگڑا ہی رکھا۔ ہاں البتہ برٹش خفیہ سروس کی جگہ ۱۹۵۶ء سے سی آئی اے (CIA) نے لی ہے ۔ اور یہی وجہ ہے کہ وہی انگریز میجر جنرل کا تھورن جو بعد میں آسٹریلیا کا ہائی کمشنر بن کر پاکستان آیا اور زیادہ وقت سکندر مرزا اور امریکن سفارت کے ساتھ گذارتا تھا۔ سکندر مرزا کو پاکستان چھوڑنے سے پہلے جس واحد آدمی کے ساتھ ملنے کی اجازت دی گئی وہ جنرل کا تھورن تھا۔

اب بجائے اس کے کہ میں اپنے تمام سوالات یا الجھنیں جو لکھی ہیں ان کا تفصیل سے جواب دوں اور واقعاتی جائزے پیش کروں۔ تو یہ بہتر ہو گا کہ پہلے یہ کلیہ حل کر لیا جائے کہ اگر پاکستان بننے کے بعد انگریز یا دوسرے اس کے واقعات میں اتنی دلچسپی لے رہے ہیں تو کیا تحریک پاکستان میں انہوں نے اپنا "حصہ" پوری طرح نہ لیا ہو گا۔ میں تو یہاں تک جاؤں گا کہ انگریز نے ہر سیاسی جماعت میں اپنے تنخواہ دار چھوڑے ہوئے تھے جنہوں نے مسلمانوں کو متحد نہ ہونے دیا۔ اور ہمیں لنگڑا پاکستان ملا۔ اور یہی انگریز کی خواہش تھی کہ لنگڑا اور کمزور پاکستان' اپنے معاملات میں الجھا رہے گا۔ اور آہستہ آہستہ قادیانی اوپر آجائیں گے۔

لطف کی بات یہ ہے کہ ایسی انگریز پرست۔ ٹوڈی۔ ابن الوقت اور بے دین لوگ باقی سیاسی جماعتوں کی نسبت مسلم لیگ میں زیادہ تھے۔ اور میرے اپنے ایک بزرگ میاں رکن الدین مرحوم جو انگریزوں

کے دشمن تھے اور تحریکِ خلافت میں قید بھی ہوئے لیکن وہ مسلم لیگ میں شامل نہ ہوتے تھے۔ اور ان کے بیٹے میاں نذیر عالم مرحوم میری کوششوں سے بڑی مشکل سے ۱۹۴۴ء میں مسلم لیگ میں شامل ہوئے اور خضر حیات ٹوانہ کو مسلم لیگ سے نکال دیا گیا تو انہوں نے کہا۔ کہ "اب کچھ مسلم لیگ پاک ہوئی ہے۔ ورنہ یہ ٹوڈی لوگوں کی جماعت ہے اور اس سے کوئی امید وابستہ رکھنا صحیح نہ ہوگا"

انگریز از خود یہ نہ چاہتا تھا کہ مذہبی لوگ مسلم لیگ میں آئیں۔ اور ہمارے مذہبی لوگ یا مذہبی جماعتیں جو مسلم لیگ سے دور رہیں تو اس میں انگریز کا بھی کچھ ہاتھ تھا۔ وہ چاہتا تھا پاکستان کی باگ ڈور بے دین لوگوں کے ہاتھ میں رہے۔ کہ وہ اس کی مرضی کے مطابق کام کریں گے۔ انگریز کی یہ سازش اتنی گہری تھی کہ قائداعظم اور مسلم لیگ والے باؤنڈری کمیشن کے سامنے ظفر اللہ کو اپنا وکیل بنانے پر مجبور ہو گئے۔ بلکہ بعد میں کسی سازش یا مجبوری کے تحت یہی ظفر اللہ ہمارا وزیر خارجہ بن گیا اور کشمیر کے مسئلہ کو خراب کیا۔ اگر کشمیر ہمیں مل گیا ہوتا تو کسی حق چلے نے قادیاں کی اینٹ سے اینٹ بجا دی ہوتی۔ اور ربوہ بنانے کا تو سوال ہی نہ پیدا ہوتا تھا۔

یہی ظفر اللہ قادیانیوں کا وکیل بھی تھا اور وہاں قادیانیوں نے اپنے آپ کو باقی مسلمانوں سے الگ تھلگ ظاہر کیا۔ اور یہ پیپر ریکارڈ میں ہے۔ جسٹس منیر خود قادیانیوں کا ہمدرد تھا۔ یا قادیانی تھا بہرحال بے دین ضرور تھا۔ کہ اس کی کتاب سے ظاہر ہے۔ تو اس طرح قادیانیوں کے مسلمانوں سے الگ ہو جانے کے بعد گورداسپور کی باقی تین تحصیلوں میں مسلمانوں کی تعداد کم ہو گئی اور قادیاں بھارت کا حصہ بنا۔ قادیانیوں کا بال بھی بیکا نہ ہوا اور قادیانی بریگیڈیر بعد میں جنرل نذیر کے تحت ان لوگوں کو بحفاظت پاکستان پہنچا دیا گیا۔ اور وہ لوگ پاکستان میں "مظلوم" بن کر داخل ہوئے اس لئے جو تحریک ۱۹۵۳ء میں ان کے خلاف شروع ہوئی وہ ۱۹۴۷ء میں شروع ہو جاتی۔ تب تک قادیانی مضبوط ہو چکے تھے اور نقصان مسلمانوں کا ہوا۔

اگر مذہبی لوگ مسلم لیگ میں ہوتے اور ویسے بھی قادیان پاکستان کا حصہ بن جاتا۔ تو پہلے ہی دن یہ تحریک شروع ہو جاتی۔ قادیان کی اینٹ سے اینٹ بجا دو۔ غلام کذاب کے پیروں کو ختم کرو۔ اللہ اور رسول ﷺ کے نام پر بنائے گئے ملک میں جھوٹے نبی کے پیروکاروں کا مرکز نہیں رہ سکتا۔ اور اس تحریک کے تحت مذہبی لوگ اوپر آ جاتے۔ اور پاکستان کی باگ ڈور ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں چلی جاتی جو اسی وقت اسلام نافذ کر دیتے۔

لیکن سازش بہت گہری تھی۔ پاکستان بننے کے بعد سیالکوٹ کا پہلا ڈپٹی کمشنر غلام کذاب کا پوتا ایم ایم احمد تھا۔ وہ طریقہ کے ساتھ گورداسپور اور امرتسر سے قادیانیوں کو نکال رہا تھا۔

ڈسکہ میں ظفراللہ کا خاندان ایک مرکز بنائے ہوئے تھا۔ اور بھارت سے آنے والے "مظلوم" قادیانیوں کو ملک کے چپہ چپہ خاص کر پنجاب میں ایک تجویز کے تحت پھیلایا جارہا تھا۔ کہ ہر جگہ ان کے منتظم اور اعلیٰ افسر مقرر تھے۔ اور قادیانی ایک ٹریڈ یونین کے تحت پاکستان کے معاملات پر چھائے جاتے تھے۔

راقم کے سامنے لوگوں نے ممتاز دولتانہ سے یہ شکایت کی کہ ایم ایم احمد کو سیالکوٹ سے تبدیل کیا جائے۔ ممتاز دولتانہ نے ایک ہفتہ کا وعدہ کیا۔ لیکن وعدہ پورا نہ کرسکا۔ کہ لیاقت علی۔ ظفراللہ۔ سکندر۔ کا طاقتور گروہ مرکز پر چھا چکا ہے۔ اور قائدِ اعظم کو بھی اندھیرے میں رکھا جا رہا تھا۔

خان قیوم کھلی مجلسوں میں سینکڑوں دفعہ کہہ چکے تھے کہ جب سرحد کے مجاہدین وادی کشمیر میں داخل ہوئے تو پنجاب کے مجاہدین کو حکومت نے روک لیا۔ اور نواب ممدوٹ نے ۱۹۵۴ء میں ریل کے ایک سفر کے دوران راقم کے سامنے یہ تسلیم کیا کہ ایسا لیاقت علی کے حکم پر کیا گیا تھا۔ بلکہ اس کے دو وزیر ممتاز دولتانہ اور شوکت حیات بھی لیاقت علی کے ہم خیال تھے۔

یہ تو کچھ بڑی سطح پر تھا۔ بلکہ اس زمانے میں سیالکوٹ سے فرنٹیر فورس رجمنٹ کو نکال کر ایبٹ آباد لایا گیا۔ اور اس کی جگہ انبالہ سے پندرہ پنجاب کو لانے میں دیر کردی گئی۔ کہ سیالکوٹ چھاؤنی میں مسلمان فوجی صرف سولہ پنجاب کے تھے۔ اور اس رجمنٹ کے ہندو سکھوں کو جان بوجھ کر سیالکوٹ رکھا گیا اور اکتوبر نومبر ۱۹۴۷ء میں بھارت بھیجا گیا۔ یہ لوگ اپنی رائفلیں اور بارود گوردوارہ میں اپنے ماتحت رکھے ہوئے تھے۔

ادھر ایم ایم احمد اور سولہ پنجاب کا کرنل ہوبرٹ کے ساتھ مل کر سرحد کی سخت دیکھ بھال کر رہے تھے۔ کہ یہاں سے کشمیر جموں کے خلاف کوئی کارروائی نہ ہو۔ آخر اس میں کیا راز تھا؟

تو راز یہ تھا کہ ہماری فوج کے کئی افسر عشقِ رسولؐ میں ڈوبے ہوتے ہیں۔ اور اس چیز کو امریکن اور یہودی اخبار بھی تسلیم کرچکے ہیں کہ پاکستانی فوج میں کئی لوگ عشقِ رسول میں ڈوبے ہوتے ہیں۔ چنانچہ ایسے لوگ اکثر کہتے تھے اور کچھ اپنے دل میں یہ لیے ہوتے تھے۔ کہ سیالکوٹ محاذ سے جب آگے پیش قدمی ہوئی تو میرا ہدف قادیان ہوگا۔ کہ اس سے میرے آقا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوں اور ہمیں دونوں جہان حاصل ہو جائیں گے۔

راقم اس پہلو کو ذاتی طور پر جانتا ہے۔ اور اگر کسی زمانے میں بھی سیالکوٹ سے بھارت کی طرف پیش قدمی ہوتی تو نہ صرف کشمیر پاکستان کا حصہ بن گیا ہوتا بلکہ قادیان کی بھی اینٹ سے اینٹ بج گئی ہوتی۔

لطف کی بات یہ ہے کہ فوجی حکمتِ عملی اور تدبیرات کے تحت ستمبر ۶۵ء اور دسمبر ۷۱ء میں بھی اس پر عمل ہوا۔ اور اداریہ دالی سطح پر پاکستان کو بے دین رکھنے کی سازش اب بھی جاری ہے۔ ان سب باتوں سے پردے اگلی قسط میں اٹھائے جائیں گے۔ وما علینا الا البلاغ (جاری ہے)

بہترین لباس تقویٰ کا لباس ہے
"لباس التقویٰ ذٰلک خیر"
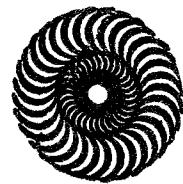
تحریر: عبدالغفار شیخ۔ ایگزیکٹو انجینئر گیس ٹربائن پاور اسٹیشن واپڈا
کوٹڑی (سندھ)

وادیٔ سندھ کا مصنوعی حج

لواری کی ایک جاہلانہ بدعت جسے دوبارہ زندہ کرنے کی سعی ہو رہی ہے

وادیٔ مہران (سندھ) کو برصغیر میں یہ شرف حاصل ہے کہ جنوبی ایشیا میں سب سے پہلے اسلام کی ضیا پاشیوں سے یہ خطہ منور ہوا۔ اور صحابہ کرامؓ۔ تابعینؒ اور تبع تابعینؒ کے مقدس قدموں کو چومنے کا شرف اسے حاصل ہوا۔ یوں تاریخ میں "باب الاسلام" بننے کا لافانی، لازوال اور قابلِ فخر اعزاز سندھ کو ملا۔ پہلی صدی ہجری کے دوسرے نصف عشرہ میں ہی سندھ کی اکثریت نے آغوشِ اسلام میں پناہ لی اور اسلام کی حقانیت کو صدقِ دل سے تسلیم کر لیا۔ اور پھر جو انتھک و ناقابلِ فراموش خدمات اسلام کے لئے سرانجام دیں وہ رہتی دنیا تک سندھیوں کے اسلام سے بے پناہ محبت و شیفتگی کا بین ثبوت ہیں علم القرآن۔ علم الحدیث۔ علم الفقہ۔ منطق۔ فلسفہ۔ قرأت۔ تجوید۔ تاریخ۔ شریعت۔ طریقت اور اجتہاد کے میدان میں وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے جو اب بھی منارۂ نور ہیں۔

وادیٔ سندھ کو صوفیائے کرام۔ اولیائے عظام۔ فقراء اور درویشوں کی سرزمین بھی کہا جاتا ہے۔ یہ حقیقت بھی ہے کہ مجاہدین اسلام کے ساتھ ساتھ ان مقدس ہستیوں اور نیک نفوس نے اسلام کی تبلیغ کے لئے بے پناہ صعوبتیں برداشت کیں اور لاکھوں گمراہوں۔ خطا کاروں۔ بدکاروں اور سیہ کاروں نے ان کے آغوشِ رحمت میں سکونِ قلب پا کر اسلام کو اپنایا۔ آج بھی ہر سندھی مسلمان ان صوفیوں کا گرویدہ، عقیدت مند۔ نیازمند اور نام لیوا ہے۔ وادی سندھ کی تقریباً ہر شہر۔ قصبہ۔ ضلع اور علاقے میں ان کی آخری آرام گاہیں ہیں۔ جہاں روحانیت کے متلاشی حقیقت کی تلاش میں اپنی اپنی تشنگی بجھانے کے لئے قریب و دور سے آتے ہیں۔

ان مقدس ہستیوں کے مزارات میں سے ایک لواری شریف میں ہے جو ضلع بدین میں واقع ہے یہاں نقشبندیہ سلسلے کے بزرگوں کے مزارات اور خانقاہیں ہیں۔ کسی زمانے میں رشد و ہدایت کے چشمے یہاں سے

پھوٹتے تھے۔ دینِ اسلام کو پھیلانے میں اس خانقاہ اور اس کے لائق و فائق بزرگوں نے حتی المقدور کوششیں کیں۔ یہاں بڑے بڑے جید علمائے دین، محدثین اور فقہائے اکتسابِ فیض حاصل کرنے کے لئے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور یہ خانقاہ خلافِ شریعت و خلافِ عقل افعال، بدعاتِ سیاہ، خرافات اور بے ہودگیوں سے مبرّا رہی۔ بلکہ اس درسگاہ سے توحید، ذکر، شریعت و طریقت اور معرفت کے وہ گنجہائے گراں مایہ لٹائے گئے جن سے خوش بختوں نے اپنی جھولیاں بھریں۔ اور دنیا و آخرت سنواری۔

جب دین میں بہت زیادہ بگاڑ پیدا ہو گیا تو رشد و ہدایت کے ادارے بھی بے عمل ہو گئے اور غیر مسلموں کے اثرات بد میں رنگ کر مسلمانوں نے بھی اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی شروع کر دی۔ انہوں نے بھی سوچا کہ اسلام کی راہ میں سختیاں جھیلنے کی بجائے کیوں نہ کوتاہی اور بے عملی کو اپنایا جائے اور دنیا کو مقصدِ حیات سمجھنے والوں نے جو گل کھلا کر فتنہ و فساد برپا کیا اس کا اسلام میں کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔

برصغیر کے مسلمان عموماً اور سندھ کے مسلمان خصوصاً قبر پرست، مُردہ پرست اور پیر پرست واقع ہوئے ہیں۔ لہٰذا دنیا کے بھوکے طالبوں نے سب سے آسان راہ یہی سمجھی کہ سادہ لوح اور بھولے بھالے مسلمانوں کو بے وقوف بناؤ۔ اور اپنی شکموں کے دوزخ کا مستقل بندوبست کرو۔ گویا انہوں نے اسلام کا نام اپنی نمود و نمائش اور معاشرے کو آبرو باختہ۔ بے حس اور بے عمل بنانے کے لئے استعمال کیا۔

حج اسلام کا پانچواں اور بڑا اہم فریضہ ہے جس کی ادائیگی پر صاحب استطاعت اور مالدار مسلمانوں کے لئے لازمی ہے۔ مگر برا ہو خواہشاتِ نفسانی کا کہ لواری شریف کی عظیم درگاہ کے سجادہ نشینوں نے سادہ لوح دیہاتیوں اور جاہل، کم عقل، کم فہم مسلمانوں کو یہ باور کرا دیا کہ اگر ہر سال وہ لواری شریف کے عرس میں شامل ہوں اور فریضہ حج کے چند ارکان کی بھونڈی نقل اتاریں تو وہ نہ صرف "حاجی" کہلائیں گے بلکہ "ناجی" بھی ہو جائیں گے یعنی حج کی ادائیگی کے ساتھ ان کی نجات بھی ہو گئی۔ کتنا آسان اور سستا نسخہ تھا جسے کاروباری طور پر خوب چلایا گیا۔ اور اسلام کے بنیادی رکن پر کاری ضرب بھی لگائی گئی۔ اور یہ سلسلہ ۱۹۳۰ء سے لے کر ۱۹۴۳ء تک کسی نہ کسی طرح چلتا رہا۔

اللہ تعالیٰ غریق رحمت کرے اور اپنی جوارِ رحمت میں جگہ دے ان علمائے کرام، عوام و خواص کو جن کی سعی پیہم اور ان تھک و بے لوث جدوجہد سے پورا برصغیر آشنا ہو گیا۔ ہر مکتبۂ فکر کے علماء حق نے اس مذموم حرکت کے خلاف تحریک چلائی۔ اور نتیجتاً ۱۹۴۳ء میں مرحوم اللہ بخش وزیر اعلیٰ سندھ کی کابینہ نے اس پر فوری پابندی عائد کر کے اس فتنۂ عظیم کا استیصال کر دیا۔ اور خدا کے فضل و کرم سے ۱۹۴۳ء سے لے کر یعنی ۴۵ برسوں سے اس مصنوعی حج پر پابندی ہے۔ مگر اب پھر چند سالوں سے لواری

شریف کے سجادہ نشین اوران کے حواریوں کی جانب سے ہر سال دو دو صفحات کے اشتہارات اور ضمیمے پاکستان کے قومی و علاقائی اخبارات میں چھپوائے جا رہے ہیں۔ اور پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے کہ ۱۹۳۹ء میں صوبہ سندھ میں کانگرس کی وزارت تھی لہذا اس نے عرس بند کرادیا تھا۔ اب چونکہ اسلامی حکومت ہے لہذا ہمیں پھر کھل کھیلنے کا موقع ملنا چاہئے۔ لہذا اس مضمون میں ڈرامہ حج پہ روشنی ڈالی گئی ہے۔ تاکہ سندھ کے ہر ہوشمند مسلمان کی آنکھیں کھل جائیں اور آئندہ یہ خرافات وہاں کسی قیمت پر بھی شروع نہ ہوسکیں۔

لواری میں مصنوعی حج کے فتنہ کے خلاف درج ذیل علماء، مشاہیر اور سیاستدانوں نے شاندار جدوجہد چلائی۔

۱۔ جنگ آزادی کے عظیم رہنما مولانا محمد صادق کھڈہ والے۔ ۲۔ شیخ الہند و شیخ الحدیث مولانا حسین احمد مدنیؒ۔ ۳۔ مولانا حکیم فتح محمد سیوہانیؒ۔ ۴۔ مولانا محمد عثمانؒ۔ ۵۔ حافظ محمد عثمانؒ۔ ۶۔ مولانا حاجی احمدؒ ۷۔ مولانا خیر محمد نظامانیؒ۔ ۸۔ مولانا عبدالغفور سیتائیؒ۔ ۹۔ مولانا عبدالحق ربانی نصر پوری۔ ۱۰۔ پیر محمد ہاشم مجددی سرہندیؒ۔ ۱۱۔ مولانا دین محمد وفائی۔ ۱۲۔ علامہ عنایت اللہ خاں المشرقی۔ ۱۳۔ جی۔ ایم سید صاحب وغیرہ

۲۳-۱۹۲۲ء میں لواری کے مرحوم سجادہ نشین نے اپنے بڑوں پر صلوٰۃ (درود شریف) پڑھنے کا آغاز کیا یعنی جس طرح ہر مسلمان حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین پہ درود شریف پڑھنا باعث ثواب سمجھتا ہے اسی طرح لواری کے پیر نے کہا کہ ہمارے جد امجد محمد زمان نقش بندی پر صلوٰۃ پڑھنا ضروری ہے اور باعث ثواب و نجات ہے۔ پھر نوبت یہاں تک پہنچی کہ اس مرحوم سجادہ نشین نے اپنے مورث اعلیٰ کو امام الرسل سید اولاد آدم۔ شاہ پیغمبراں وغیرہ جیسے القاب سے پکارنا شروع کردیا۔ حالاں کہ یہ القاب و آداب صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مقدس ذات کے ساتھ مخصوص ہیں۔ جب دیکھا کہ سادہ لوح و جاہل لوگوں نے اس خرابی کو ہضم کرلیا ہے اور کوئی صدائے احتجاج بلند نہیں ہوئی تو پھر اپنے مورث اعلیٰ محمد زمان کے لئے جلّ جلالہٗ، جلّ شانہٗ اور جلّ سلطانہٗ جیسے القاب سے نواز کر ذات باری تعالیٰ کی صفات کا حامل ٹھہرا کر شرک پھیلانا شروع کردیا۔

اپنے مورث اعلیٰ بزرگ پر درود پڑھانے اور صفات باری تعالیٰ میں شریک کرنے کے بعد اسلام کے بنیادی رکن "حج" کی نقل اتارنا شروع کردی۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ آثار مقدسہ جنہیں اسلامی اصطلاح میں شعائر اللہ کہا جاتا ہے ان کی توہین اس طرح کی گئی کہ قصبہ لواری کو "مکہ مکرمہ" اس کے نزدیک ایک چھوٹے سے گاؤں کو "مدینہ منورہ"۔ لواری کے ایک کنوئیں کا نام "چاہ زمزم" ایک میدان کا نام "عرفات" ایک قبرستان کا نام "جنت البقیع" رکھ کر ۹ ذی الحجہ کے روز ایک بڑے منبر پر چڑھ کر خطبہ حج پڑھا جاتا تھا۔ لواری میں داخل ہونے والے ہر کس و ناکس کو مثل حرم کعبہ میں داخل

ہونے کے امان میں سمجھا جاتا تھا۔ اس کارگزاری سے فارغ ہونے کے بعد مرحوم پیر صاحب اپنی زبان سے سب حاضرین کو " حج " کی مبارک باد پیش کرتے اور پھر سب مریدین آپس میں ایک دوسرے کو حج کی مبارک باد دیتے۔ اور " حاجی " کے لقب سے پکارتے۔

یہ ظلّی ، بروزی اور نقلی و مصنوعی حج بڑے اہتمام اور انتظام کے ساتھ ہو بہو حج کی کاربن کاپی ہوتا تھا جس طرح میدانِ عرفات میں حاجی لوگ خیمے لگاکر رہتے ہیں اور وہاں حج کے لئے حاضر ہوتے ہیں۔ اسی طرح یہاں پر بھی کچھ جھونپڑیاں اور خیمے نصب کراکر عرفاتی کیمپ بنائے جاتے تھے۔ جس طرح میدانِ عرفات میں خطبہ پڑھا جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح لواری کے اس میدان میں بھی ظلّی حج کا ظلّی خطبہ پڑھا جاتا تھا۔ اور یہ خطبہ ٹھیک دو بجے دوپہر ۹ ذی الحجہ کو پڑھا جاتا تھا۔ چونکہ حدیث مبارکہ میں ارشاد ہوتا ہے کہ حج کی صحیح ادائیگی کے بعد مسلمان گناہوں سے ایسا پاک ہو جاتا ہے کہ گویا وہ ماں کے پیٹ سے ابھی پیدا ہوا ہے۔ اسی طرح اس مصنوعی حج کی بھونڈی ادائیگی کے بعد مریدین لواری اپنے آپ کو گناہوں سے بالکل پاک اور پوتر سمجھتے تھے۔

۱۹۳۲ء میں سندھ کے مشہور و معروف تحریک آزادی کے رہنما اور آبروئے قلم مولانا دین محمد وفائی صاحب مرحوم خاص طور پر سجادہ نشین کی دعوت پر وہاں تشریف لے گئے۔ جو صورتِ حال انہوں نے وہاں چشم خود ملاحظہ کی، اسے بڑے کرب و درد کے ساتھ اپنے رسالہ " توحید " ماہ ذی الحجہ ۱۳۵۲ھ کے صفحات ۴۱، ۴۲ پر قلم بند کیا۔ ضروری اقتباسات درج ذیل ہیں۔

قلعہ کے دروازے کے ساتھ ساتھ کئی جھونپڑیاں لگائی گئی تھیں۔ جہاں سجادہ نشین بزرگ کا کیمپ ہے۔ اور مقابل طرف کو تمام زائرین و مسافرین کے لئے بھی جھونپڑیاں الگ نصب کی گئی تھیں۔ پیر صاحب کے کیمپ اور عوام کے کیمپ کے درمیان رسی باندھ کر دونوں کے درمیان حدِ فاصل بنائی گئی تھی۔ قلعہ کے دروازے کے ساتھ ایک وسیع میدان میں ایک بڑا منبر رکھا گیا تھا جس پر خطبہ حج پڑھا گیا۔ قلعہ کی دیواروں پر دو بڑے بورڈ آویزاں تھے جن میں سے ایک پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی۔

" خطبہ حج تین بجے پڑھا جائے گا "

دوسرے پر یہ الفاظ تھے۔ " حج کے دن اور دس تاریخ عید الاضحیٰ نماز تک ٹھہر کر اس کے بعد روانہ ہو جانا اور برکت حاصل کرنا "

مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ حج کا خطبہ کراچی والے مولوی ظہور الحسن درس نے پڑھا تھا۔ جس میں نے اس خطبہ کے متعلق دریافت کیا۔ جس کے جواب میں اس نے ایک مطبوعہ کتاب جس کا نام " خطبات رضویہ " تھا۔ یہ

کتاب کسی بریلوی عالم کی لکھی ہوئی تھی۔ مولوی ورس نے ایک خطبہ بھی دکھایا اور کہا کہ میں نے یہ خطبہ پڑھا وہ خطبہ ذی الحجہ کی عید کا تھا۔ اور بس۔

اسی سلسلے میں درگاہ لواری شریف کے بڑے پیر صاحب یعنی سلسلہ لواریہ کے بانی (مورث اعلیٰ) کے مقبرے کے دیکھنے کا بھی اتفاق ہوا۔ جو اسی قلعہ کے اندر ایک گنبد میں ہے۔ اس وقت گنبد کا دروازہ بند تھا۔ کتنے ہی آدمی گنبد کے دروازے کے سامنے رخ کرکے دوزانو باادب بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے دیکھا کہ کتنی ہی عورتیں گنبد کے آستانے کو سجدہ کی حالت میں پڑ کر سر جھکا کر چوم رہی تھیں۔ ایک شخص جو متعین تھا، کہہ رہا تھا کہ جلدی جلدی سر اٹھاؤ تاکہ دوسرے اس عبادت میں مشغول ہوں۔ میرے ساتھ میاں فضل احمد مرید لواری تھا۔ وہ کھڑے کھڑے دروازے کو چوم کر مجھے کہنے لگا کہ میرا عقیدہ تو یہ ہے۔ میں نے اسی وقت جواب میں کہا کہ عبادت وحصول ثواب کے ارادہ سے چومنا صرف کعبۃ اللہ کے لئے مخصوص ہے دوسری جگہ ایسا کرنا گناہ بلکہ میرے عقیدے کے مطابق شرک ہے۔

گنبد کے مغربی جانب ایک عالی شان مسجد ہے جس کا بلند ورفیع مینار کئی میلوں کی مسافت سے دیکھا جا سکتا ہے۔ وہ بھی بند تھی۔ کہا گیا کہ یہ مسجد اس لئے بند ہے کہ کہیں مسجد میں جانے والے لوگ کسی ناگہانی حادثہ کا شکار نہ ہوں۔ یہ بھی کہا گیا کہ لوگ نمازیں مقبرہ والے گنبد کی طرف منہ کرکے پڑھا کرتے ہیں۔

میں نے درگاہ کے ایک خاص معتقد کو جو مجھے مختلف مکانات دکھا اور بتا رہا تھا صاف کہہ دیا کہ قبر کے سامنے رخ کرکے نماز پڑھنا شرعاً ہرگز جائز نہیں۔ بہتر ہے کہ اس کو بند کیا جائے۔

جب ہم یہ سیر کرکے قلعہ کے دروازے پر واپس پہنچے تو میرے ایک دوست نے مذاقیہ لہجے میں کہا۔ کہ آپ زمزم پیتے چلیں۔ مجھے بھی پیاس تھی، پانی پینا تھا۔ وہاں پر مجھے ایک کنواں دکھایا گیا جسے زمزم کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ مگر مجھے تحقیق کے ساتھ معلوم نہ ہو سکا۔ کہ لوگ اس کو عقیدت مندی وایمانداری کے ساتھ زمزم کہتے ہیں یا فقط زبانی طور پر۔ ہاں لوگوں کو آپس میں حج کی مبارک بادیاں کہتے ہوئے میں نے اپنے کانوں سے سنا۔ طواف واحرام کی حالت میں کسی کو نہیں دیکھا۔ مرد اور عورتیں بڑی تعداد میں آئے مجھے اخیر تک یہ معلوم نہ ہو سکا کہ حج کا خطبہ کیوں پڑھا گیا۔ اور حج کی مبارک بادیں کیوں دی جاتی تھیں۔ اور ۹ ذی الحج کو ہی کیوں اس قسم کے اجتماع کے لئے مخصوص کیا گیا۔

یہ وہ حقیقت ہے جو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھی۔ جس کے اظہار سے کوئی طاقت مجھے روک نہیں نہیں سکتی۔ کیونکہ ہر انسان کو اپنے پروردگار سے سروکار ہے۔ حق کی شہادت پیش کرنے کے لئے قرآن پاک میں ارشاد باری ہے :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ وَلَوْ عَلَى أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ

اے ایمان والو! پوری استقامت کے ساتھ انصاف پر ڈٹے رہو، خدا کے لئے گواہ بن کر، اگرچہ وہ شہادت اپنے اوپر دینی پڑے یا ماں باپ کے اوپر یا رشتہ داروں کے اوپر۔

مولانا دین محمد وفائی مرحوم کے مندرجہ بالا اقتباسات سے درج ذیل باتیں ثابت ہوتی ہیں :۔

۱۔ لواری میں ایک وسیع و عریض میدان حج کے خطبہ کے لئے مقرر کیا جاتا ہے جس میں ایک بڑا منبر بھی رکھا جاتا ہے۔

۲۔ حج کا خطبہ اسی میدان میں اسی منبر پر چڑھ کر مریدین کو سنایا جاتا ہے۔

۳۔ میدان عرفات کی طرح یہاں بھی جھونپڑیاں اور خیمے نصب کئے جاتے ہیں۔

۴۔ لوگ گنبد کے دروازے کی طرف منہ کر کے التحیات کی طرح دو زانو با ادب بیٹھتے ہیں۔

۵۔ مستورات گنبد کے آستان کو سجدہ کر رہی تھیں۔

۶۔ پیر لواری کا ایک خاص گماشتہ لوگوں کو کہہ رہا تھا جلدی جلدی سجدہ سے سر اٹھاؤ تاکہ دوسرے لوگ بھی یہ عبادت بجا لائیں۔

۷۔ لوگ بڑے پیر صاحب (مورث اعلیٰ) کے مقبرہ والے گنبد کی طرف منہ کر کے فرض نماز کی ادائیگی کرتے ہیں جبکہ صرف کعبۃ اللہ (قبلہ) کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی جاتی ہے۔

۸۔ ایک کنوئیں کو زمزم کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

۹۔ زائرین خطبۂ حج سنتے ہیں اور ختم ہونے کے بعد ایک دوسرے کو حج کی مبارک باد دیتے ہیں۔

مندرجہ بالا امور تو وہ ہیں جو پیر لواری کے معزز مہمان مولانا دین محمد وفائی مرحوم کی چشم دید گواہی سے ثابت ہیں۔ اس کے علاوہ دوسرے ثقہ راویوں اور گواہوں کے بیانات "کلمۃ الحق" (جماعت لواری کے عقائد باطلہ اور مصنوعی حج کی تحقیق و تردید) مصنفہ حضرت مولانا محمد صادق صاحب مرحوم بانی و مہتمم مدرسہ مظہر العلوم کھڈہ کراچی کے صفحات نمبر ۱۲ تا ۱۵ میں بھی درج ہیں۔ راقم الحروف صرف صفحہ ۱۲، ۱۳ کے مندرجہ ذیل اقتباسات نقل کر رہا ہے :۔

(۱۳) ثقہ و معتمد علیہ راوی بیان کرتا ہے کہ اس گنبد کے دامن کو ایک غلاف پہنایا ہوا تھا جس کی ساری سطح و بساط پر سلطان الاولیاء جلّ جلالہٗ۔ جلّ شانہٗ، جلّ سلطانہٗ کے کلمات لکھے ہوئے تھے۔ ۱۴۔ وہی راوی روایت کرتا ہے عام طور پر لوگ قصبہ لواری کو مکہ اور مرحوم پیر صاحب کے گاؤں کو مدینہ اور ایک میدان کو عرفات کہتے تھے۔ ۱۵۔ وہی

معتمد علیہ راوی کہتا ہے کہ مجھے اچھی طرح سے معلوم ہوا ہے کہ پیر صاحب کے مرید اس مصنوعی حج کو حقیقی حج کے برابر سمجھ کر فی الواقعہ حاجی اور مبارک باد کا مستحق سمجھتے تھے۔ بلکہ بعض مرید تو اس مصنوعی حج کو حقیقی حج سے بھی زیادہ سمجھتے تھے۔

راوی کہتا ہے کہ اس نے اپنی آنکھوں سے ایسے مریدوں کے چند ایسے خطوط دیکھے جو حقیقی حج کی نعمت سے تو اب تک محروم تھے مگر باوجود اس کے اس مصنوعی حج کی وجہ سے خط وکتابت میں ان کو حاجی لکھا گیا تھا۔

۱۶۔ اس نے چشم دید و گوش شنید روایت کی کہ مولوی ظہور الحسن درس نے جو خطبہ پڑھا تھا اس میں سلطان الاولیاء کی تعریف اور قصبہ لواری کی ثناء و صفت تھی ۔ ۱۷۔ وہی ثقہ راوی کہتا ہے کہ میں نے پیر صاحب کے خاص مریدوں کی خاص مجلس میں بارہا ایسی گفتگو اور خیالات ظاہر کرتے ہوئے سنا جس سے صریح طور پر معلوم ہوتا تھا کہ اس کا عقیدہ ہے کہ قصبہ لواری حقیقی طور پر مکہ و مدینہ سے افضل ہے۔ وہ علی الاعلان کہتے تھے کہ مکہ و مدینہ میں جو حقیقتیں تھیں وہ منتقل ہوکر لواری میں آکر جمع ہوئی ہیں اور مکہ و مدینہ میں فقط در و دیوار رہ گئے ہیں۔ ۱۸۔ وہی راوی کہتا ہے کہ پیر صاحب کے مرید علی العموم اس مصنوعی زمزم کے پانی سے بوتلیں بھر کر بطور تبرک اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔ ۱۹۔ ایک بدعت کو اس جماعت نے اپنے لئے بطور مذہبی نشان کے مقرر کیا ہے جس کی وجہ سے وہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین کے نام لیوا مسلمانوں سے الگ تھلگ اور ممتاز دیکھنے میں آتے ہیں۔ وہ بدعت یہ ہے کہ لواری کے پجاری اپنی مساجد اور مکانات میں ایک عَلَمْ یعنی جھنڈا نصب کرتے ہیں جس کو "لوائے کُلّ" کہتے ہیں۔ اس لوائے کلّ کی وہ لوگ بے حد تعظیم کرتے ہیں۔ ۲۰۔ یہی ثقہ راوی اپنے ساتھ ایک چھوٹی دفتری بھی لایا ہے جس پر سنہری کاغذ چڑھے ہوئے ہیں اس پر لفظ "کُلّ" اور "لواری شریف حج مبارک" لکھے ہوئے ہیں۔ اس کاغذی دفتری کو یہ لوگ بطور تبرک اپنے دین و ایمان کی خاص نشانی اور "لوائے کُلّ" اور حج کی یادگار سمجھ کر سر آنکھوں پر رکھتے اور چومتے ہیں۔ ۲۱۔ یہ گمراہ جماعت اور پیر صاحب لفظ "کُلّ" کو ایسا مقدس اور پاک جانتے ہیں جو ہر قسم کی خط وکتابت میں بجائے بسم اللہ کے فقط لفظ "کُلّ" کو بطور مذہبی نشان کے لکھتے رہتے ہیں جس طرح ہندو لفظ "اوم" لکھتے ہیں۔

غرضیکہ جب برصغیر کے مسلمانوں کے سامنے علمائے حق نے یہ خرافات اور بے ہودگیاں پیش کیں تو پورے ملک میں ایک ہیجان برپا ہوگیا۔ جو کہ ایک فطری بات تھی۔ آخر کار دس سال کی متحدہ کوششوں کے بعد ۹ جنوری ۱۹۳۹ء کو حکومت سندھ نے اعلان کیا کہ:۔

"حج لواری بند کر دیا گیا"

اس ظلی، بروزی اور مصنوعی حج کو بند کئے جانے سے متعلق سندھ گورنمنٹ کی طرف سے حسب ذیل امتناعی احکامات کا اعلان ہوا۔

ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کا حکم

آرڈر زیر دفعہ ۴۳ - ڈسٹرکٹ پولیس ایکٹ ۱۸۹۰ء

مجھے ایسا معلوم ہوا ہے کہ ۳۰ یا ۳۱ جنوری کو بمقام موضع لواری ضلع حیدر آباد (سندھ) لواری کے میلہ پر جو عام طور پر لواری کے حج کے نام سے موسوم ہے۔ نقص امن یا بہت بڑے فساد کا امکان ہے۔ بدین۔ نیندو تمبیر۔ کدھان یا کسی اور جگہ سے لواری جانے کے تمام راستے ایک مہینے تک (۱۰ جنوری ۱۹۳۹ء تا ۱۰ فروری ۱۹۳۹ء) بند کئے جاتے ہیں۔ اس لئے پبلک کا کوئی بھی فرد جو لواری جانا چاہے مجھ سے اجازت نامہ حاصل کئے بغیر نہیں جا سکتا۔ مزید برآں یہ بھی تنبیہ کی جاتی ہے کہ لواری کے مقام پر کورٹ (قلعہ) کے باہر کا میدان بھی ان تاریخوں میں پبلک کے لئے بند کیا جاتا ہے۔

میرے دستخط اور عدالت کی مہر سے جاری ہوا۔

۱۱ جنوری ۱۹۳۹ء

یو۔ ایم۔ میسر چندانی
ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ۔ حیدر آباد

حکومت کا حکم

آرڈر زیر دفعہ ۱۴۴ ضابطہ فوجداری

ضلع حیدر آباد سندھ کی عام پبلک کے نام

مجھے بتایا گیا ہے کہ تمام مسلمان بالخصوص مریدان پیر لواری کے مقام پر اس سال خصوصاً ۶ تاریخ سے ۱۰ تاریخ تک ذوالحجہ ۱۳۵۷ھ ایک میلہ منعقد کرنے والے ہیں۔ اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اس حج کے میلہ پر پیر لواری اپنے مریدوں اور عام مسلمانوں پر یہ اثر ڈالتا ہے کہ یہ حج وہی درجہ رکھتا ہے جو مکہ معظمہ کے حج کا ہے۔ اور یہ مندرجہ ذیل طریقے سے کیا جاتا ہے۔

۱۔ لواری حج کی وہی تاریخ مقرر کی گئی ہے جو مکہ معظمہ میں اصل حج کی ہے۔

۲۔ لواری کے مقام پر جانے والوں کو "حاجی" پکارنے کی اجازت دے کر ان کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ اور یہ لقب ان لوگوں کا ہے جو مکہ مکرمہ کا حج کرنے جاتے ہیں۔

۳۔ لواری کے قبرستان کو "جنت البقیع" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور یہ اس قبرستان کا نام ہے جو مدینہ منورہ میں ہے۔

۴۔ لواری کے کنوئیں کو مکہ معظمہ کے چشمے کی طرح "آبِ زمزم" کہا جاتا ہے۔

۵۔ اس مقام پر جہاں نماز ادا کی جاتی ہے اور میلہ منعقد کیا جاتا ہے، داخلے کے لئے جو بڑا دروازہ ہے اس کو "باب السّلام" کہا جاتا ہے۔ یہ مکہ معظمہ میں کعبۃ اللہ کے دروازوں میں ایک دروازے کا نام ہے۔

۶۔ ایک عام خطبہ پڑھا جاتا ہے جس کو خطبۂ حج کہتے ہیں۔ اس خطبہ میں لواری پیر کے جدِ امجد کو سلطان الانبیاءؑ مظہرِ ذاتِ خدا کہا جاتا ہے۔

۷۔ پوسٹر لگائے جاتے ہیں جن میں واضح کیا جاتا ہے کہ خطبہ ٹھیک دو بجے دن کے پڑھا جائے گا۔ بعینہٖ یہ وہی وقت ہے جب کہ مکہ معظمہ میں "خطبۂ حج" پڑھا جاتا ہے۔

مندرجہ بالا میلہ یا حج یا جلوس کے لئے تم عام مسلمان لواری اور پیر لواری کے معتقد لواری کے مقام پر جمع ہونے والے ہو اور جب کہ لواری کا یہ میلہ مذہبی اعتقاد کے برخلاف ہے اور عام مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کرنے والا ہے۔ اور اس سے سخت ترین فساد پیدا ہونے کا امکان ہے۔ اس لئے میں اس حکم کے ذریعے تم کو حکم دیتا ہوں کہ اس میلہ یا جلوس یا اجتماع میں ۱۴ جنوری سے ۱۰ فروری ۱۹۳۹ء تک کوئی حصہ نہ لے۔

۱۴ جنوری ۱۹۳۹ء میرے دستخط اور عدالت کی مہر سے جاری کیا گیا

دستخط یو۔ ایم۔ میسر چندانی

ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ حیدرآباد (سندھ)

لواری میں مصنوعی، ظلّی، بروزی، نقلی حج اور جماعت لواری کے گمراہ کن عقائد و نظریات کے متعلق اگر مزید تفصیلات درکار ہوں تو مندرجہ ذیل کتابوں کا مطالعہ کریں۔

۱۔ رسالہ توحید ماہ ذی الحجہ ۱۳۵۲ھ۔ مولانا دین محمد وفائی مرحوم

۲۔ کلمۃ الحق (جماعت لواری کے عقائد باطلہ اور مصنوعی حج کی تحقیق و تردید) ۱۳۵۴ھ مولانا محمد صادق مرحوم کھڈہ والے

۳۔ شرح قصیدہ متبرکہ در شان حضرت سلطان الاولیاء (مطبوعہ دیدبہ حیدری پریس کراچی)

۴۔ خاکسارانہ تحریک کی سولہ سالہ جد و جہد

ایگل
ایک عالمگیر
قلم
خوشخط
رواں اور
دیرپا۔
اسٹیل
کے
سفید
اریڈیم پلیٹڈ
نب کے
ساتھ
EAGLE
EAGLE
IRIDIUM
ہر
جگہ
دستیاب
آزاد فرینڈز
اینڈ کمپنی لیمٹڈ

باہتمام مجلس شیخ الحدیث — ضبط و ترتیب :- مولانا عبدالقیوم حقانی

صحبتے با اہلِ حق

——— شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب کی مجلس میں

اچھے ناموں کا اثر

۲۲ فروری ۱۹۸۳ء: ایک صاحب کا نام دریافت فرمایا۔ تو اس نے عرض کی کہ میرا نام دین محمد ہے۔ ارشاد فرمایا بڑا اچھا نام ہے۔ خدا آپ کو اسم با مسمّی کر دے۔ نام اچھا رکھنا چاہئے۔ ناموں کا اثر انسان کے کاموں پر ہوتا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ایک حدیث کا مفہوم بھی یہی ہے کہ تم اولاد کے اچھے نام رکھو۔ تو سمجھی میں نام کی تاثیر ہوتی ہے۔ نام بگاڑنا ممنوع ہے۔ اور بے معنی نام رکھنا بھی ممنوع ہے۔

۳۱۳ کا عدد متبرک ہے

۲۷ فروری ۱۹۸۳ء: ایک شخص نے عرض کی۔ جناب میں ہر وقت مصائب اور پریشانیوں میں گھرا رہتا ہوں تو ارشاد فرمایا ۳۱۳ مرتبہ لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین پڑھ لیا کریں۔ اللہ تعالیٰ پریشانیاں دور کر دیں گے۔ یہ ۳۱۳ کا عدد بڑا متبرک ہے۔ غزوہ بدر میں اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعداد ۳۱۳ تھی۔ امام مہدی کے رفقاء کی تعداد ۳۱۳ ہو گی۔ اور لوط علیہ السلام کو رہائی دلانے والے اللہ کے نیک بندوں کی تعداد بھی ۳۱۳ تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ۳۱۳ کا عدد بڑا متبرک عدد ہے۔

کوفہ، علوم کا مرکز و معدن تھا

۱۹ فروری ۱۹۸۳ء: ارشاد فرمایا۔ حضرت علیؓ خلیفہ راشد ہیں انہوں نے کوفہ کو دارالحکومت بنایا۔ یہ اصول معروف ہے کہ ارباب حل و عقد اور اہل علم و دانشور دارالحکومت میں جمع رہتے ہیں۔ مگر یہ اس زمانے کی بات ہے کہ ارباب حل و عقد علم دین سے واقف اور دین کی طرف راغب تھے۔ آج کل تو معاملہ بالعکس ہے۔ علم دین کا زمانہ نہیں نہ ان کے ہاں علم دین سے واقفیت حاصل کرنے کا رواج ہے۔ بلکہ دولت کا چرچا ہے۔ اس دور میں دارالخلافہ میں دنیا کے عیاش بڑے بڑے مالدار، سرمایہ دار اور دولت مند لوگ جمع رہتے ہیں۔ جب کہ حضرت علیؓ کا مبارک دور علم و عمل کا دور تھا۔ ان کے ہاں علم کی قدر کی جاتی تھی نہ کہ دولت مندی اور سرمایہ داری کی۔ اس لئے تو کوفہ دارالحکومت ہونے کی وجہ سے علوم کا مرکز اور معدن بن گیا۔ صرف کوفہ ہی میں ۱۵۰۰ صحابہ کرامؓ کا قیام تھا۔ کوفہ اور بصرہ میں بڑے بڑے علماء، فضلاء اور فقہاء صحابہ رہتے تھے۔ علم حدیث کی بڑی بڑی درسگاہیں تھیں جہاں سے اہل کوفہ کے علاوہ بصرہ، بغداد اور اہل مصر کے لوگوں نے علوم حاصل کئے یہی وجہ تھی کہ امام

سال تک کوفہ علوم نبوی کا مرکز رہا حتیٰ کہ امام ابو حنیفہؒ کا دور آیا۔ اس دور میں بھی کوفہ علوم و معارف اور فقہ کا سرچشمہ تھا۔ دور دور سے تشنگان علم آ آ کر اپنی علمی پیاس یہاں بجھاتے۔ امام ابو حنیفہؒ کے حلقۂ درس سے، امام ابو یوسف، امام محمد اور امام زفر جیسے یگانۂ روزگار نکلے۔

حدیث سے حذف سند اور قرآن کے اردو ترجمہ کی اشاعت

۲۰ فروری ۱۹۷۳ء۔ آج کل ایک طریقہ یہ بھی چل نکلا ہے کہ بخاری ترمذی اور حدیث کی دیگر کتب سے سندات حذف کر دیتے ہیں۔ اور براہ راست عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اکتفا کر کے کتاب شائع کر دیتے ہیں۔ مگر یہ بات حد درجہ خطرناک اور مضرت رساں ہے۔ کل کو یہ اندیشہ بھی موجود ہے کہ عن کو بھی حذف کر دیں۔

سندات تو حدیث کے لئے بمنزلہ پاؤں کے ہیں۔ اگر پاؤں کاٹ دئے جائیں تو چلنا ناممکن ہے اس انداز کی اشاعتوں کو اس ملک میں ترویج دینے سے یہ مصیبت لازم آئے گی کہ کل کذاب اور افترا پرداز لوگ اپنی طرف سے عربی عبارتیں گھڑ کر احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا لیبل لگا دیں گے اور کچھ ایسے بھی ہیں جو اردو کے ترجمہ قرآن کو بغیر عربی قرآن کے، قرآن کے نام سے شائع کر دیتے ہیں۔ جس سے کئی مفاسد اور مختلف فتنے پیدا ہو رہے ہیں۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے کوئی مسئلہ بیان کیا۔ مسئلہ غلط تھا جب میں نے اسے سمجھایا تو کہنے لگا میں تیس مرتبہ قرآن کا مطالعہ کر چکا ہوں مسئلہ ایسا ہی ہے۔ جیسا کہ میں بیان کر رہا ہوں ۔ عربی تلفظ اس کا غلط تھا فوراً گھر سے قرآن اٹھا کر لایا تاکہ ہمیں قائل کرے۔ ہم نے جب دیکھا تو خالص اردو ترجمہ تھا۔ اور وہ تیس سال سے اس کی تلاوت کر رہا تھا۔ تو خالص اردو کب قرآن ہو سکتی ہے۔ اس کا پڑھنا قرآن کی تلاوت نہیں البتہ بعض اوقات بہت سے مفاسد اور کئی فتنوں کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

ایک گھاٹی جس کو سر سے عبور کرنا ہے

ارشاد فرمایا: حضرت ابو ذرؓ کو کسی نے گالی دی، تو آپ کھڑے ہو گئے اور گالی دینے والے کو فرمایا خوب گالیاں دیتے رہو اور دل کی بھڑاس نکال لو جب وہ گالیاں دے دے کر خاموش ہو گیا تو حضرت ابو ذرؓ نے فرمایا۔ عزیزم! کیوں خاموش ہو گئے۔ گالیاں دیتے رہو مجھے اس کی کوئی پروا نہیں۔ میرے سامنے ایک گھاٹی ہے جس کا عبور کرنا میرے لئے ضروری ہے اگر اس گھاٹی کو عبور کرنے میں کامیاب ہو گیا تو آپ کی گالیوں کی مجھے پروا نہیں اور اگر بیچ میں رہ گیا اور عبور نہ کر سکا تو اس سے بھی زیادہ گالیوں کا مستحق ہوں۔ حضرت مدظلہ نے فرمایا:

ہمارے سامنے بھی وہی گھاٹی ہے اگر اسے عبور کرنے میں ناکام رہے تو پھر لوگ جتنی چاہیں گالیاں دیں ہم اس سے زیادہ کے مستحق ہیں۔ اگر گھاٹی عبور کرنے میں کامیاب ہو گئے تو پھر کسی کی گالیوں کی پروا نہیں۔

آپ سب دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ استقامت دے۔ اور اس گھاٹی کا عبور کرنا آسان کردے۔ آمین

اللہ تعالیٰ کی معیت کا تصور ۲۲ فروری ۸۳ء آج کی مجلس میں ایک صاحب نے دریافت کیا کہ خدا تعالیٰ کو ہر وقت اپنے ساتھ حاضر اور ناظر کا تصور کیسے کیا جا سکتا ہے۔ ارشاد فرمایا یہ تو ہمارا یقین اور ایمان ہے کہ ہر حالت میں ہر جگہ باری تعالیٰ ہمیں دیکھتے ہیں جب انسان پر یہ کیفیت طاری ہو گئی کہ ہر جگہ اور ہر مقام پر میں خدا کے سامنے ہوں۔ اور خدا مجھ کو دیکھتا ہے۔ فان لم تکن تراہ فانہ یراک۔ جب کسی مقام پر ایک پولیس مین موجود ہو اور انسان کو یقین ہو کہ یہ پولیس مین میری ہر حرکت پر نظر رکھتا ہے۔ اور میرے افعال اس کی نگاہ میں ہیں تو وہ محتاط رہتا ہے اور جیسے اللہ تعالیٰ پر اس یقین کی کیفیت طاری ہو جائے تو وہ بہت بڑا خوش نصیب ہے اور یہ کیفیت، للہیت، عظمت، خلوص اور محبت سب کو شامل ہے۔ اور فرمایا کہ اپنی عادت ایسی بنا لینی چاہئے جیسے رات کے اندھیروں میں کام کرنے والے مزدور کو یہ یقین ہوتا ہے کہ میں اپنے مالک کی نظر میں ہوں اور اس سے میرا کوئی کام پوشیدہ نہیں ہے۔ تو یقیناً وہ اپنے کام میں چستی دکھائے گا۔ اور غفلت و کوتاہی سے کام نہ لے گا۔ بس اس نوعیت کا استحضار جس بندے کو اپنے اللہ سے حاصل ہو گیا تو کامیاب ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ سب کو ایمان و یقین کی دولت سے مالا مال فرمادے۔ آمین

احسان و شکر نعمت ۲۱ فروری ۸۳ء۔ چند فضلائے دارالعلوم دور سے ملاقات و دعا کی غرض سے حضرت مدظلہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو ارشاد فرمایا۔ اللہ رب العزت نے ہم پر بہت بڑا انعام و احسان کیا ہے۔ کہ ہمیں اشرف المخلوقات ہونے کا عزت و شرف بخشا ہے۔ ورنہ ہم ناتوانوں کا کیا بس چلتا اگر خدا ہمیں کسی گندی نالی کا کیڑا بنا دیتے یا عام حشرات الارض اور حیوانات کی شکل میں ہماری تخلیق فرماتے تو ہمارا کیا بس چلتا یہ تو اللہ رب العزت کی خاص الخاص مہربانی ہے کہ اس نے ہمیں صورت انسان دی ہے۔ اور پھر یہ مزید احسان و اکرام فرمایا کہ ہمیں طلب علم کا موقع فراہم کیا اور ہمیں دین سیکھنے سکھانے کے راستہ میں لگا دیا۔ اور طالبان علوم نبوت کی صف میں کھڑا کر دیا۔

اگر تمام زندگی سجدہ میں پڑے رہیں تو اللہ تبارک و تعالیٰ کا اس احسان عظیم کا ہم شکریہ نہیں ادا کر سکتے

حکومت پاکستان - وزارت تعلیم

خالی آسامی

پرنسپل اردو سائنس کالج کراچی کی آسامی کے لئے درخواستیں مطلوب ہیں۔ مندرجہ ذیل تعلیمی قابلیت/تجربہ رکھنے والے افراد درخواستیں دینے کے اہل ہیں۔

تعلیمی قابلیت ۱۔ سائنس کے کسی ایک مضمون میں پی ایچ ڈی مع پوسٹ ڈاکٹورل پبلی کیشن یا مساوی تحقیقی قابلیت۔ اردو زبان اور سائنس کی اصطلاحات پر عبور حاصل ہو۔

تجربہ۔ پوسٹ گریجویٹ کی سطح پر ۱۲ سالہ تدریسی انتظامی تجربہ۔

عمر ۳۰ سے ۴۵ سال خصوصیت کی بنیاد پر قابل رعایت۔

ڈومیسائل - (میرٹ)

تنخواہ کا سکیل:- (بی - ۲۰) ۲۴۰۰ - ۱۸۰ - ۳۸۰۰ -

درخواستیں مع مکمل بائیو ڈیٹا و ڈگری/سرٹیفکیٹ/ڈپلومہ/تجربہ سرٹیفکیٹ/ڈومیسائل سرٹیفکیٹ زیر دستخطی کو ۳۰ جون ۱۹۸۴ء تک پہنچ جانی چاہیئے۔ درخواست مندرجہ ذیل معلومات پر مبنی ہونا چاہیئے۔

۱۔ جس آسامی کے لئے درخواست دی گئی ۲۔ نام مسٹر/مسز/مس/تجربہ سرٹیفکیٹ/ڈومیسائل سرٹیفکیٹ زیر دستخطی کو ۳۰ جون ۱۹۸۴ء تک پہنچ جانی چاہیئے۔ درخواست مندرجہ ذیل معلومات پر مبنی ہونا چاہیئے۔

۱۔ جس آسامی کے لئے درخواست دی گئی ۲۔ نام مسٹر/مسز/مس (بڑے حروف میں) ۳۔ والد کا نام ۴۔ تاریخ پیدائش۔ ۵۔ مذہب ۶۔ قومیت ۷۔ ڈومیسائل ۸۔ شناختی کارڈ نمبر ۹۔ خط و کتابت کا پتہ۔ ۱۰۔ تعلیم میٹرک سے اب تک حاصل کردہ۔

اسکول/کالج/یونیورسٹی	حاصل کردہ سرٹیفکیٹس/ڈگری	ڈویژن	سال	مضامین	ادارے کا نام	ذریعہ تعلیم	تاریخ از - تا

بغیر اسناد اور مقررہ تاریخ کے بعد وصول ہونے والی درخواستیں قابل قبول نہیں ہوں گی۔

مینگریو شمس الدین اسسٹنٹ ایجوکیشنل ایڈوائزر وزارت تعلیم
ہاؤس نمبر ۱۔ سٹریٹ نمبر ۴۴ سیکٹر جی ۶/۴ - اسلام آباد۔ ٹیلیفون نمبر ۸۲۵۵۰۵

PID (1) 5075/29

جناب محمد یوسف فاروقی

اسلام میں سیاست و مملکت کی حقیقی بنیادیں

یہ بات بڑی امید افزا ہے کہ دنیا بھر کے مسلمانوں میں آج اسلامی نظام حکومت، اسلامی طرز سیاست اور اسلامی مملکت کے قیام کی ضرورت کا زیادہ شدت کے ساتھ احساس ابھر رہا ہے۔ اس کی اصل وجہ تو یہ ہے کہ دنیا بھر میں مختلف قسم کے نظامہائے حکومت کا انسانوں نے تجربہ کیا ہے اور ہر وہ نظام جسے انسان نے اپنی فلاح و کامیابی کا ضامن جان کر اپنایا تھا تجربات نے ثابت کیا کہ یہ تمام نظام انسانی مشکلات و مسائل کے حل میں ناکام رہے ہیں۔ بلکہ ان انسانی نظاموں نے بہت سی ایسی مشکلات پیدا کیں جو انسانوں کے لئے مزید بے چینی اور پراگندگی کا باعث ہوئیں۔ انسان جس امن و سلامتی، عدل و انصاف اور ذہنی سکون کا متلاشی تھا وہ اسے حاصل نہیں ہو سکا۔ اس بات کا احساس آج مغربی مفکرین کو بھی ہو رہا ہے۔ وہ بھی یہ بات محسوس کر رہے ہیں کہ انہوں نے جس لادینی اور مادی نظام کو اپنایا تھا اس نے انہیں مجموعی طور پر مشکلات و مصائب سے دوچار کیا ہے۔ اور اجتماعی عدل، امن و سکون اور ذہن و قلب کی آسودگی حاصل نہیں کر سکے۔ اگر مغربی مفکرین تعصب سے بالاتر ہو کر دین اسلام کا مطالعہ کریں تو وہ بھی یقیناً اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ اسلام ہی وہ واحد نظام حیات ہے جو انسان کی فلاح و سعادت کا جامع پروگرام رکھتا ہے۔

مسلم مملکتوں نے بھی گذشتہ چودھویں صدی ہجری میں مغرب و مشرق کے مختلف قسم کی طرز حکومت کا اچھا خاصا تجربہ کر لیا ہے۔ بہت سی مسلم حکومتیں انہی تجربات میں تباہ ہو گئیں۔ بعض کی جغرافیائی حدود سمٹ گئیں اور بعض اندرونی و بیرونی خلفشار کا شکار ہیں۔ مصائب مشکلات کی ہر طرف سے یلغار ہے۔ ایک مشکل کا حل نکالتے ہیں۔ وہی حل دوسری کئی مشکلات کا سبب بن جاتا ہے۔ ایک مصیبت سے نکلنے کی راہ تلاش کرتے ہیں پھر اس راہ پر چل کر مصائب کی لامتناہی دلدل میں پھنس جاتے ہیں۔ اس صورت حال میں بعض لوگوں میں مایوسی کی کیفیت بھی پیدا کی ہے۔ لیکن مسلمانوں کی اکثریت ابھی تک ناامید نہیں ہوئی۔ بلکہ انہیں یقین ہے کہ ان کا دین انہیں عدل و انصاف، امن و سکون، طمانیت ذہن و قلب اور مکمل فلاح و سعادت کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔ یہی یقین ان میں اسلامی طرز زندگی اور اسلامی نظام حکومت و سیاست

کے احساس کو بیدار کر رہا ہے۔

امت مسلمہ کی اس بیداری اور احساس کے پیش نظر یہ خیال پیدا ہوا کہ ان بنیادی اصولوں کی نشان دہی کی جائے جو اسلامی نظم مملکت اور اسلامی طرز سیاست کے لئے اساسی روح ہیں۔

دین کا تصور: ان اصولوں میں سب سے زیادہ نمایاں مقام دین کو حاصل ہے۔ دین دراصل ایمان (عقائد) و عمل کے مجموعہ کا نام ہے جو انسان کی پیدائش سے لے کر موت تک تمام زندگی کو محیط ہوتا ہے۔ دین میں عقائد کو سب سے زیادہ مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اس لئے کہ جب عقائد دل و دماغ میں راسخ ہو جاتے ہیں تو عملی زندگی خود بخود عقائد کے سانچے میں ڈھل جاتی ہے۔ عقیدہ ہی وہ مؤثر ترین قوت ہے جو ایک طاقت ور ضمیر پیدا کرتا ہے۔ وہ ضمیر جو حق و صداقت، عدل و انصاف اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے ہر وقت تیار اور فحشاء و منکرات کی بیخ کنی کے لئے ہر لمحہ مستعد رہتا ہے۔ عقائد میں جس قدر رسوخ تام ہو گا عمل بھی اسی قدر قوت کے ساتھ صادر ہو گا۔ امت مسلمہ کے تمام شعبہ ہائے زندگی میں اصلاح و خیر کا پہلو عقائد کی قوت سے نمایاں ہوتا ہے۔ توحید، رسالت، آخرت، جزا و سزا، اللہ تعالیٰ کی عدالت میں تمام اعمال کا محاسبہ اور تقدیر پر ایمان۔ یہ تمام عقائد اسلام کے تمام شعبوں کے لئے اور امت مسلمہ کی تمام زندگی کے لئے روح کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جس طرح درخت کی تمام ترشادابی اور اس کی شاخوں کی سرسبزی کا دارومدار جڑ سے وابستگی پر ہے۔ اسی طرح ہماری زندگی کے تمام شعبوں میں فلاح و خیر کا دارومدار عقیدہ سے وابستگی پر ہے۔ اگر عقیدہ کی روح سے علیحدہ کر کے کسی ادارے یا کسی شعبے کو قائم کریں گے تو وہ ہرگز مفید ثابت نہیں ہو گا۔ جس طرح کسی درخت کی شاخ کو تنا سے الگ کر کے اسے اس غذا سے محروم کر دیا جائے جو اسے جڑ سے حاصل ہوتی ہے۔ ایسی شاخ یقیناً مرجھا جائے گی۔

یہی حال ہمارے تمام شعبہ ہائے زندگی کا ہے۔ آج ہمارا سب سے بڑا المیہ یہی ہے کہ ہم اپنے نظام تعلیم و تربیت میں عقائد کو بنیادی اہمیت نہیں دیتے۔ اس بات کا کوئی اہتمام نہیں کیا جاتا۔ کہ اسلامی عقائد کو صحیح طرح سمجھایا جائے انہیں دل و دماغ میں راسخ کیا جائے۔

ہونا تو یہ چاہئیے تھا کہ آغوش مادر سے لے کر تعلیم و تعلم کی اعلیٰ درس گاہوں تک ہر جگہ عقائد کو اس طرح سمو دیا جاتا کہ ہم جتنا تعلیم کے میدان میں آگے بڑھیں قلب و دماغ پر عقائد کی گرفت اتنی ہی مضبوط ہوتی چلی جائے۔

دین کا دوسرا جزو عمل ہے۔ اسلام نے انسانوں کی رہنمائی کے لئے جامع ہدایات دی ہیں اور قرآن و سنت کو امت مسلمہ کا دستور حیات قرار دیا ہے۔ قرآن و سنت نے ہماری معاشرتی، اخلاقی، سیاسی اور اخلاقی و اقتصادی زندگی سے متعلق اصولی ہدایات دی ہیں۔ فقہاء اسلام نے قرآن و سنت کی روشنی میں ہماری اجتماعی زندگی سے متعلق وسیع پیمانہ پر قانونی نکات بیان کئے ہیں جو ہماری عملی زندگی میں رہنمائی کرتے ہیں۔

امت کا تصور | دوسری بنیادی چیز امت کا تصور ہے۔ وہ تمام افراد جنہوں نے دین اسلام کو قبول کر لیا ہے اور اپنی عملی زندگی کو قرآن وسنت کے تابع کر لیا ہے وہ سب ایک امت کے ارکان ہیں۔ خواہ ان کا تعلق کسی خطے کسی علاقے اور کسی نسل سے ہو وہ دنیا کی کوئی بھی زبان بولتے ہوں۔ علاقائی، جغرافیائی، لسانی اور زبانی فرق کی کوئی حیثیت نہیں۔ کلمہ جامعہ صرف اسلام ہے۔ قرآن حکیم نے تمام مسلمانوں کو ایک برادری قرار دیا ہے۔ ارشاد ہے " انما المؤمنون اخوۃ " یقیناً تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے بعد مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ تو وہاں کے دو اہم قبائل اوس وخزرج نے اسلام قبول کر لیا۔ یہ دونوں قبیلے جو طویل عرصہ سے باہمی جنگوں اور خونریزی میں مبتلا تھے۔ ایک دوسرے کو نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ قبول اسلام کے ساتھ الفت ومحبت کے ایک نئے دور میں داخل ہو گئے۔ آپس میں خلوص ومحبت کا لازوال رشتہ قائم ہو گیا۔

قرآن حکیم نے ان کا تذکرہ اس طرح کیا ہے۔

" فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا " تمہارے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے جوڑ دیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے کہ تم آپس میں بھائی بھائی ہو گئے۔ (آل عمران ۱۰۳) دنیا بھر میں جب اور جہاں کہیں لوگ دین اسلام کو قبول کر لیں گے۔ تو وہ بھی اس عالمگیر برادری کا حصہ بن جائیں گے " وان تابوا واقاموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ فاخوانکم فی الدین " اگر یہ لوگ توبہ کر لیں۔ نماز قائم کریں۔ اور زکوٰۃ ادا کریں تو یہ بھی تمہارے بھائی ہیں کہ دین میں داخل ہو چکے ہیں (توبہ - ۱۱)

افراد صرف رسمی بھائی نہیں ہوتے بلکہ ایک دوسرے کے مخلص، قابل اعتماد اور خیر خواہ دوست ہوتے ہیں " والمؤمنون والمؤمنات بعضھم اولیاء بعض " مسلمان مرد وخواتین آپس میں ایک دوسرے کے ولی ہیں (توبہ ۷۱) سورہ مائدہ میں انصار ومہاجرین کو ایک دوسرے کا ولی قرار دیا ہے (المائدہ ۵۱)

حدیث نبوی میں افراد امت کی باہمی ولایت اور وحدت کے تصور کو بہت جامع انداز میں اس طرح بیان فرمایا ہے کہ :-

" مثل المؤمنین فی توادھم وتراحمھم کمثل جسد - اذا اشتکی منہ عضو تداعی لہ سائر الجسد بالحمی والسھر "

مسلمانوں کی مثال باہمی محبت اور جذبہ رحمدلی میں جسم واحد کی طرح ہے کہ اگر ایک جسم کا کوئی عضو تکلیف و درد میں مبتلا ہو تو سارا جسم بخار اور بے چینی محسوس کرتا ہے۔

ایک دوسری حدیث میں اس طرح بیان فرمایا ہے۔ کہ

" المؤمن للمؤمن کالبنیان یشد بعضہ بعضاً "

ایک مومن کا دوسرے مومن کے ساتھ ایسا تعلق ہوتا ہے جس طرح کسی مضبوط عمارت کہ جس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کو مضبوطی سے تھاما ہوتا ہے۔

دین اسلام کو نظام حیات تسلیم کرنے والے لوگ دنیا کے کسی بھی خطے میں آباد ہوں۔ کوئی بھی زبان بولتے ہوں وہ تمام امت مسلمہ کے ارکان ہیں اور یہ امت ایک ہی امت ہے۔

اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ

"یہ آپ کی امت ایک ہی امت ہے اور میں تمہارا رب ہوں۔ پس میری ہی عبادت کرو" (الانبیاء ۹۲)

امت مسلمہ کے ان ارکان پر اگر دنیا کے کسی خطے یا کسی علاقے میں ظلم و تشدد ہو تو وہ پوری امت مسلمہ پر ظلم و تشدد تصور ہوگا۔ اسے کسی ملک کا داخلی معاملہ کہہ کر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

عہد نبوی میں جب مکہ کی شہری مملکت نے ان کمزور مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا جو ہجرت کر جانے کے قابل نہ تھے۔ تو قرآن حکیم نے ان مظلوم مسلمانوں کی خاطر قتال کا حکم دیا۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا۔

اور تمہیں کیا ہو گیا کہ تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں ان کمزور مردوں عورتوں اور بچوں کی خاطر نہیں لڑتے جو دعائیں کرتے ہیں کہ اے اللہ ہمیں اس بستی سے جس کے رہنے والے ظالم ہیں نکال لے، اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا حامی بنا دے اور اپنی جانب سے کسی کو ہمارا مددگار بنا دے۔ (النساء ۷۵)

قرآن حکیم نے اس امت واحدہ کی مختلف صفات بیان کی ہیں جن سے اس کا تشخص بھی واضح ہو جاتا ہے اور اس کے مقاصد پر بھی روشنی پڑتی ہے مثلاً اسے "امت وسط" کہا ہے۔ یعنی اعتدال کی راہ پر گامزن اور عدل و انصاف قائم کرنے والی امت بنایا ہے تاکہ دنیا بھر میں شہادت حق کا فریضہ انجام دے سکے۔ (دیکھئے البقرہ آیت ۱۴۳) امت کی ایک صفت "مقتصدہ" بھی آئی ہے۔ یعنی سیدھی راہ پر چلنے والی امت (المائدہ ۶۶) اسے "امت مسلمہ" بھی کہا جاتا ہے۔ یعنی وہ امت جس نے اللہ تعالیٰ کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا ہو جو ہر صورت اور ہر قسم کے حالات میں اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل پیرا ہوتی ہو کسی صورت میں اس کے احکام کی خلاف ورزی نہیں کرتی (البقرہ) انہی عظیم مقاصد کے پیش نظر اسے "خیر امت" یعنی بہترین امت قرار دیا ہے۔ اس لئے کہ دنیا بھر میں معروف کے قیام اور منکرات کی روک تھام کے لئے جدوجہد کرتی ہے (آل عمران ۱۱۰)

خلافت: تیسری بنیادی چیز نظریہ خلافت ہے۔ ادب اسلامی میں خلافت ایک جامع اصطلاح ہے۔ اور

مسلمانوں کے سیاسی نظام اور مملکت کے مفہوم کو بھی ٹھیک ٹھیک ادا کرتا ہے۔ یہ فرائض نبوت کی بجا آوری میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت سے عبارت ہے۔ مقاصد نبوت کی تکمیل کے لئے ہر دور اور ہر زمانہ میں خلافت کا قیام ضروری ہے۔

حضرت ابوہریرہ سے ایک روایت ہے جس سے خلافت کے مفہوم، اسلام میں سیاست اور اس کے مقاصد کی بخوبی وضاحت ہو جاتی ہے۔ حدیث مبارکہ کے الفاظ یہ ہیں۔

عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال کانت بنو اسرائیل تسوسھم الانبیاء کلما ھلک نبی خلفہ نبی و انہ لا نبی بعدی، وستکون خلفاء

(رواہ الشیخان)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنو اسرائیل کی قیادت و رہنمائی انبیاء علیہ السلام فرماتے تھے جب ایک نبی (دنیا سے) رحلت کر جاتے تو اللہ تعالیٰ دوسرے نبی کو مبعوث فرما دیتے لیکن میرے بعد ہرگز کوئی نبی نہیں ہوگا۔ ہاں میرے بعد خلفاء ہوں گے [1]

خلافت کا تسلسل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے فوراً بعد شروع ہو گیا تھا۔ خلافت کے ادارے نے امت مسلمہ کی سیاسی و معاشرتی تنظیم کی۔ اصلاح و تربیت کے ادارے قائم کئے۔ انسانی حقوق کی نگہبانی کی اور انسانی تاریخ میں مکمل طور پر عدل و انصاف قائم کیا۔ یہی وجہ ہے کہ امت مسلمہ کو اس سے دینی اور جذباتی لگاؤ ہے۔ نظم خلافت صدیوں تک دنیا میں قائم رہا۔ اور اسی نظم و سیاست و مملکت کے تحت امت مسلمہ نے علمی، تہذیبی اور تمدنی میدان میں اقوام عالم کی قیادت کی اور دنیا کے سامنے عدل و انصاف، اخلاق و کردار اور علم و عمل کی وہ روشن مثالیں پیش کیں جن کی نظیر دیگر نظامہائے مملکت پیش نہیں کر سکتے۔

ہمارے خیال میں آج بھی خلافت ہی ایسا نظام حکومت ہے جو دنیا بھر کے مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر سکتا ہے۔ اور ان میں تنظیم و وحدت کی روح پیدا کر سکتا ہے۔ صرف یہی نظام سیاست ہے جو امت مسلمہ کی منتشر قوتوں کو جمع کرنے اور ان کی عملی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے میں ممد و معاون ثابت ہو سکتا ہے۔ اور آج کے دور کی سیاسی، اقتصادی اور اجتماعی مشکلات کو پوری طرح حل کر سکتا ہے۔ اس نظام کی بنیاد جاہلانہ رسم و رواج یا علاقائی عرف و دستور پر نہیں بلکہ علمی اور فطری بنیادوں پر قائم ہے۔ اور رائج الوقت تمام سیاسی نظاموں سے زیادہ جامع اور مستحکم ہے اس لئے کہ یہ ادارہ دین و عقیدہ اور علم وحی کی اساس پر قائم ہے۔

انسان کے خود ساختہ نظاموں میں انسانوں پر انسانوں کی حاکمیت کا تصور پایا جاتا ہے۔ جب کہ اسلام اس تصور کو

---

[1] شیخ منصور علی " التاج الجامع للاصول فی احادیث الرسول ج ۳ ص ۴۳

بالکل رد کرتا ہے۔ ایک طرف حکمران طبقہ اور ان کا خاندان ہوتا ہے جو تمام مراعات کا مستحق قوت و طاقت کا مالک اور ہر قسم کی خدمت کا مستحق ہوتا ہے۔ دوسری طرف محکوم طبقہ ہوتا ہے جو ہر وقت حکمرانوں اور ان کے خاندان والوں کی خدمت کے لئے مستعد رہتا ہے۔ تاریخ میں اس قسم کی غیر انسانی طبقاتی تقسیم کے کبھی بھی اچھے نتائج برآمد نہیں ہوئے۔ بلکہ انسانوں کی حاکمیت کے اسی تصور نے آقاؤں، غلاموں، جاگیرداروں اور بے لگام بادشاہوں کو جنم دیا۔

خلافت کی تعریف خلافت کی اگر کوئی مختصر اور جامع تعریف ہوسکتی ہو تو وہ یہ ہو گی کہ خلافت وہ منظم ادارہ ہے جو بحیثیت نیابت رسول حقوق اللہ اور حقوق العباد کی نگرانی کا فریضہ انجام دے۔ حضرت شاہ ولی اللہ نے خلافت کی تعریف اس طرح کی ہے۔

ھی الریاسۃ العامۃ فی التصدی لاقامۃ الدین باحیاء العلوم الدینیۃ و اقامۃ ارکان الاسلام و القیام بالجہاد وما یتعلق بہ من ترتیب الجیوش والفرض للمقاتلۃ، و اعطاءھم من الفیئ و القیام بالقضاء و اقامۃ الحدود، ودفع المظالم و الامر بالمعروف، والنہی عن المنکر نیابۃ عن النبی صلی اللہ علیہ و سلم۔

خلافت وہ عمومی ریاست ہے جو بالفعل بحیثیت نیابت نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) وجود میں آئی ہو، اور جو اقامت دین، علوم دینیہ کا احیاء۔ ارکان اسلام کا قیام، جہاد کا قیام، لشکروں کی تشکیل و ترتیب، سپاہیوں کے وظائف کا تقرر۔ مال غنیمت کی تقسیم۔ عدلیہ کا قیام۔ حدود کا نفاذ ظلم کا خاتمہ۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرائض انجام دے۔

(ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفاء ج ۱ ص ۲)

شاہ ولی اللہ مرحوم نے تعریف ہی میں فرائض و ذمہ داریوں کو بھی بیان کر دیا ہے۔ علامہ ابن خلدون نے خلافت کا مفہوم اس طرح بیان کیا ہے کہ "خلافت، دین کی حفاظت دیکھ بھال اور دنیا کی سیاست دانی میں شارع علیہ السلام کی صحیح صحیح نیابت و جانشینی کا نام ہے[1]

قرآن و سنت میں نظم مملکت، سیاسی امور اور اجتماعی معاملات سے متعلق اصولی ہدایات ملتی ہیں۔ تفصیلات اور جزوی احکام بیان نہیں ہوئے۔ البتہ یہ اصولی ہدایات اس قدر جامع ہیں کہ ان کے اندر رہتے ہوئے ہر دور اور ہر زمانہ میں فقہا اور اہل علم استنباط کر سکتے ہیں۔ ہمارے فقہا نے بے شمار فقہی نکات بیان بھی کئے اور ان سے احکام کا استنباط کر کے امت مسلمہ کی رہنمائی بھی کی ہے۔

ہمارے خیال میں تین اصول خلافت کے لئے بہت اہم ہیں۔ جب بھی کوئی مملکت ان پر عمل پیرا ہو جائے گی نظم خلافت وجود میں آجائے گا۔

---

[1] مقدمہ ابن خلدون۔ ترجمہ مولانا سعد حسن ٹونکوی ص ۲۱۶

نظم خلافت کا پہلا اصول | سب سے اہم بات اقتدار اعلیٰ کی ہے۔ موجودہ سیاسی نظاموں میں اقتدار اعلیٰ پارلیمنٹ یا حکمران پارٹی کی سپریم کونسل کو حاصل ہوتا ہے۔ ملوکیت کے دور میں یہ حق بادشاہ وقت کے پاس ہوتا تھا۔ لیکن اسلام میں یہ حق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو حاصل ہے۔ یہی وہ بنیادی اصول ہے جو خلافت کو دنیا کے تمام سیاسی نظاموں سے ممتاز کرتا ہے۔ خلافت صدیقی سے لے کر خلافت عثمانیہ تک چند مستثنیات کے علاوہ تقریباً تمام مسلمان حکمرانوں نے اللہ تعالیٰ کے اقتدار اعلیٰ کو تسلیم کیا ہے۔ اور قانون شریعت مملکت کے قانون کی حیثیت سے رائج رہا ہے۔ اس لحاظ سے خلافت کا دور خلافت عثمانیہ تک برقرار رہا ہے۔ اسے صرف خلافت راشدہ تک محدود کر دینا اور حضرت علیؓ کی خلافت کے بعد سے ملوکیت کا آغاز قرار دینا غلط ہے۔ اس وقت ہم اس بحث کی تفصیلات میں جانا نہیں چاہتے۔

اقتدار اعلیٰ کی جو خصوصیات بیان کی جاتی ہیں وہ تمام کی تمام اپنے کمال کے ساتھ نہ کسی انسانی فرد میں پائی جا سکتی ہیں اور نہ کوئی ادارہ یا کوئی کونسل ان تمام خصوصیات کی حامل ہو سکتی ہے۔

اسلام کا تصور توحید اس قدر جامع ہے اور ان تمام خصوصیات کا حامل ہے جنہیں اقتدار اعلیٰ کے لئے ضروری قرار دیا گیا ہے۔ لہٰذا حقیقی معنی میں اقتدار اعلیٰ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کے پاس ہو بھی نہیں سکتا۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:۔

ان الحکم الا للہ امر ان لا تعبدوا الا ایاہ ذالک الدین القیم ولکن اکثر الناس لا یعلمون۔

اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی حکومت نہیں ہے اس نے حکم دیا ہے کہ صرف اس کی عبادت کی جائے یہی دین محکم ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (یوسف ۴۰)

سورہ مائدہ میں زمین و آسمان اور کائنات کی ہر چیز پر اللہ تعالیٰ کی حکومت کو بیان کیا ہے۔

للہ ملک السموات والارض وما بینھما یخلق ما یشاء۔ (المائدہ ۱۷)

زمین و آسمان اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔

اس مضمون کی وضاحت متعدد آیات میں ملتی ہے۔ (دیکھئے المائدہ آیات ۱۸۔ ۱۲۰۔ آل عمران ۱۸۹۔ اور توبہ ۱۱۶ وغیرہ)

اللہ تعالیٰ کے اس کامل اقتدار میں کوئی دوسرا شریک نہیں۔

لا یشرک فی حکمہ احداً (کہف ۲۶) وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں بناتا۔

لم یکن لہ شریک فی الملک (بنی اسرائیل ۱۱۱) حکمرانی میں اس کا کوئی شریک نہیں۔

اللہ تعالیٰ کے لئے اقتدار اعلیٰ تسلیم کر لینے کا مطلب یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے تمام احکام کا پابند ہے وہ اس کے عطا کردہ دستور یا کسی قانون کو نہ منسوخ کر سکتا ہے نہ معطل۔ نہ ہی انسان کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ

کوئی ایسا قانون بناتے جو قانون الٰہی کے خلاف ہو۔ قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب مملکت اسلامیہ کا ایسا دستور ہے جو ہر دور ہر زمانہ میں ہر ہر فرد مسلم پر واجب الاطاعت ہے۔ اسی طرح قرآن کریم نے اسوۂ رسول اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی واجب العمل قرار دیا ہے۔ لہذا قرآن وسنت کے خلاف کوئی قانون۔ ضابطہ حکم یا فرمان جائز نہیں ہے۔ (یعنی اس کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہے) مملکت اسلامیہ کے تمام قوانین اور جملہ احکام کا اصل ماخذ قرآن وسنت ہی ہوں گے۔

نظام خلافت کا دوسرا اصول | دوسری بنیادی چیز نظم خلافت میں شورٰی ہے۔ اسلامی مملکت کے تمام معاشرتی اور سیاسی ادارے شورائی نظم کے تحت کام کرنے کے پابند ہیں۔ قرآن حکیم نے امت مسلمہ کو باہمی مشاورت سے اپنے معاملات طے کرنے کا حکم دیا ہے۔ قرآن کریم میں شورٰی سے متعلق دو آیات ہیں۔ اس سلسلہ کی پہلی سورہ شورٰی میں ہے۔

والذین استجابوا لربهم و اقاموا الصلوٰة و امرهم شورىٰ بينهم ومما رزقنهم ينفقون (شورٰی - ۳۸)

اور جنہوں نے اپنے رب کی دعوت پر لبیک کہا اور نماز کو قائم کیا اور ان کے معاملات باہمی مشورے سے طے ہوتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں بخشا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

اس آیت مبارکہ میں قرآن حکیم نے اپنے مشہور اسلوب سے ہٹ کر اسلام کے دو بنیادی ارکان، اقامت الصلوٰۃ اور انفاق کے درمیان شورٰی کا ذکر کیا ہے تاکہ اس کی اساسی اہمیت واضح ہو جائے اور اس کا ٹھیک ٹھیک مقام متعین ہو جائے۔ ابوبکر جصاص جو غیر معمولی قانونی بصیرت کے مالک تھے اس آیت کی تفسیر میں وہ فرماتے ہیں کہ

و يدل على انهما مامورون بـها

یعنی قرآن حکیم کا یہ اسلوب دلالت کرتا ہے کہ یہ لوگ (صحابہ کرام) مشورہ کے لئے مامور تھے[1]

شورٰی سے متعلق دوسری آیت سورہ آل عمران میں ہے۔

فَبِمَا رَحۡمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنۡتَ لَهُمۡ وَلَوۡ كُنۡتَ فَظًّا غَلِيۡظَ الۡقَلۡبِ لَانْفَضُّوۡا مِنۡ حَوۡلِكَ فَاعۡفُ عَنۡهُمۡ وَاسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ

یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ آپ ان کے لئے نرم خو ہیں اگر آپ درشت خو اور سخت مزاج ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے۔ سو آپ ان سے درگذر کریں

---

[1] جصاص ابوبکر۔ احکام القرآن ج ۳ ص ۴۷۵

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ۔

(آل عمران ۱۵۹)

ان کے لئے مغفرت چاہیں اور معاملات میں ان سے مشورہ لیتے رہیں اور جب آپ فیصلہ کرلیں تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے اوپر بھروسہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

یہ آیت مبارکہ اس وقت نازل ہوئی تھی جب مدینہ منورہ میں اسلامی مملکت کا سیاسی شخص ابھر رہا تھا اور نقشۂ عالم پر ایک ایسی مملکت کے نقوش نمایاں ہو رہے تھے جو دنیا کو ایک نئے اجتماعی نظام سے متعارف کرانے والی تھی۔ یہ اجتماعی نظام جس کی بنیاد عدل و مساوات اور اعلیٰ اخلاقی اقدار پر ہے۔

ابوحیان اندلسی نے اس آیت کی تفسیر میں بہت اچھا نکتہ بیان کیا ہے وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کے معاملات میں مشورہ کرنے کا حکم اس لئے دیا تھا تاکہ باہمی مشورہ کو قانونی حیثیت حاصل ہو جائے اور آپ کے بعد لوگ ان تمام معاملات میں جہاں وحی خاموش ہو باہمی مشورہ سے حاصل کریں[1]

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام زندگی اس آیت کے مطابق عمل کیا۔ مکی دور میں دار ارقم ایوان شوریٰ تھا اور مدنی عہد میں مسجد نبوی میں شوریٰ کی اجلاس ہوتے تھے۔ خلفائے راشدین نے بھی بڑی سختی کے ساتھ اس پر عمل کیا اور مشورہ کے بغیر کبھی کوئی اقدام نہیں کیا۔ اسی لئے مسلمان فقہائے شوریٰ کو شریعت اسلامیہ کے اہم اصولوں میں شمار کیا ہے۔ اور ایسے حکام کو جو مشورہ کو نظر انداز کرتے ہوں ان کے عہدوں سے معطل کر دینے کو واجب قرار دیا ہے[2] (باقی)

---

[1] ابوحیان، اثیر الدین محمد بن محمد "البحر المحیط" ج ۳ ص ۹۰ [2] القرطبی، محمد بن احمد ابوعبداللہ "الجامع لاحکام القرآن" ج ۴ ص ۲۴۹

پاکستان نیوی میں شارٹ سروس کمیشن میں تقرر کے لئے پاکستانی مرد شہریوں سے دینی معلمین کی حیثیت سے درخواستیں مطلوب ہیں :۔

عمر :۔ ۳۱ دسمبر ۱۹۸۴ء کو ۳۵ سال سے زیادہ نہ ہو (مستحق امیدواروں کے لئے عمر کی حد میں رعایت دی جاسکتی ہے۔)

تعلیمی قابلیت :۔ ایم اے اسلامیات معہ فارغ / فاضل سندِ درسِ نظامی۔ (جامعہ اسلامیہ بھاولپور کا تخصص ایم اے اسلامیات کے مساوی تصور کیا جائیگا)

نااہلیت

(۱) دوبار آئی ایس ایس بی سے رد شدہ
(ii) جنہیں طبی وجوہات کی بنا پر اپیل میڈیکل بورڈ نے نااہل قرار دیا ہو۔
(iii) جنہیں سرکاری ملازمت سے برطرف کیا گیا ہو۔

طریقِ انتخاب

(۱) کسی فوجی شفاخانے سے طبی معائنہ
(ii) آئی ایس ایس بی امتحان / انٹرویو
(iii) حتمی انتخاب نیول ہیڈکوارٹرز کرے گا۔

مقررہ درخواستوں کے فارم اور مزید معلومات کے لئے مندرجہ ذیل پتہ پر لکھیئے یا رجوع کیجئے

۱۔ ڈائریکٹریٹ ریکروٹمنٹ نیول ہیڈکوارٹرز اسلام آباد۔ فون :۔ ۸۲۱۸۹۰

۲۔ پاکستان نیوی ریکروٹمنٹ اور سلیکشن سینٹرز :۔

کراچی :۔ ۷ لیاقت بارکس رفیقی شہید روڈ۔
فون :۔ ۵۱۶۴۳۴

لاہور :۔
۲۳/ایف ظفر روڈ لاہور کینٹ فون :۔ ۳۷۰۴۹۸

ملتان :۔
۵۷/جی شیر شاہ روڈ ملتان کینٹ۔ فون :۔ ۳۰۱۰۹۰

راولپنڈی :۔
ڈی ۔ ۸۵ ۔ روڈ نمبر ۶ سٹلائٹ ٹاؤن،
فون :۔ ۸۴۰۴۶۴

ڈائریکٹوریٹ آف ریکروٹمنٹ، نیول ہیڈکوارٹرز، اسلام آباد میں درخواستیں وصول ہونے کی

آخری تاریخ ۳۰ جون ۱۹۸۴ء

ADGROUP

PID/Islamabad.

حضرت مولانا محمد میاں صاحبؒ

فنا میں بقا - ایک فریبِ نظر

لازوال بحث

دو کلمے ہیں سبحان اللہ والحمد للہ۔ زبان نے حرکت کی اور یہ کلمے (بول) سنے گئے۔ حرکت ختم ہو گئی آواز بھی ختم ہو گئی۔ مگر کیا یہ الفاظ بھی ختم ہو گئے جو زبان سے صادر ہوتے تھے۔ پوری دنیا ہمیشہ اس فریب میں مبتلا رہی۔ کہ یہ الفاظ ختم ہو گئے۔ افلاسفہ اور منطقی حضرات اپنی چمکتی ہوئی دلیلوں سے یہی ثابت کرتے رہے کہ الفاظ اعراض ہیں جن کی اپنی کوئی ہستی نہیں ہوتی کسی دوسری چیز کے سہارے ان کا نمائشی وجود ہوتا ہے جو آناً فاناً ختم ہو جاتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ "سبحان اللہ والحمد للہ تملآن ما بین السماء والارض" سبحان اللہ اور الحمد للہ اس تمام فضا کو پُر کر دیتے ہیں جو آسمان اور زمین کے بیچ میں ہے۔

یہ ایک ایسی ہستی کا اعلامیہ تھا جو کائنات کا حقیقت شناس ہے اور ہم اس کو رسول برحق مانتے ہیں مگر ہماری فلسفہ زدہ شکی طبیعت اس ارشاد کی تاویل و توجیہہ کرتی رہی۔ اور کبھی ایسا بھی ہوا کہ یہ حدیث پڑھتے ہوئے ہمیں جھجک ہوئی۔ کہ محققین فلسفہ ہمیں اوہام پرست کہیں گے۔ معاذ اللہ

بیسویں صدی کے سائنس دانوں کو خدا ہدایت نصیب کرے۔ انہوں نے خود اپنے اماموں اور پرانے استادوں "فلاسفہ قدیم" کی تردید کی۔ سات سمندر سے پار امریکہ کی راجدھانی واشنگٹن سے ایک شخص ریڈیو پر بولتا ہے۔ دنیا کے ہر گوشے سے اس کے الفاظ سن لئے جاتے ہیں۔ کیا بولنے والے کے الفاظ ختم ہو گئے تھے فنا ہو گئے تھے اگر فنا ہو گئے تھے تو یہ فضا ان الفاظ سے کیسے بھر گئی۔ کیا بجلی کی لہروں نے ان الفاظ کو دنیا کے ہر گوشے میں کس طرح پہنچا دیا اگر یہ ختم اور فنا ہو گئے تھے۔

تقریر کرنے والے یا بولنے والے کے قریب آپ نے چھوٹا سا آلہ رکھ دیا۔ آپ کی تمام تقریر اور تمام گفتگو ریکارڈ ہو رہی ہے۔ تقریر کرنے والے کی وفات ہو گئی۔ مگر اس کی تقریر کا یہ ریکارڈ موجود ہے۔ جب چاہیں آپ سن لیں۔ کیا عجب ہے اس طرح کی پوری قوت قدرت نے خود ہماری آنکھ، ناک، جلد اور بدن کے حصہ میں رکھ دی ہو۔ اور نہ رکھی ہوتی تو ہم باہر بھی اس کا ادراک کیسے کر سکتے جب کہ ہم میں اس کیفیت کا شعور ہی نہ ہوتا۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہم میں یہ کیفیت ہو۔ پس جب ہم میدانِ حشر میں، داورِ محشر کی عدالت میں اپنے کسی قول یا فعل کا

انکار کریں تو ممکن ہے کہ ہمارے اعضاء کا یہ مخفی ریکارڈ دفعتاً بجنے لگے اور ہمارا پول کھول دے کما یشیر الیہ قولہ تعالیٰ وما کنتم تستترون ان یشھد علیکم سمعکم (الایۃ)

اور ملاحظہ فرمائیں۔ کسی شرارت پسند بد زبان نے یا کسی نیک اور سنجیدہ بزرگ نے غصہ سے بے تاب ہو کر کسی کو گالی دے دی۔ پھر زبان رک گئی۔ الفاظ ختم ہو گئے۔ فضا میں خاموشی چھا گئی۔ کیا گالی کے الفاظ کی تاثیر بھی ختم ہو گئی مگر شاعر نے عربی زبان میں کہا تھا۔

جراحات السنان لھا التیام ولا یلتام ما جرح اللسان

نیزے کے زخم بھر جاتے ہیں مگر وہ زخم نہیں بھرتا جو زبان نے لگایا ہو۔

فنا میں بقا جس کی چند مثالیں پہلے گذریں۔ صرف زبان کے فعل اور زبان کی حرکت تک ہے یا انسان کے ہر فعل کی یہی خاصیت ہے کہ بظاہر ختم ہو جاتا ہے۔ مگر واقعہ اور حقیقت کے لحاظ سے کبھی ختم نہیں ہوتا۔ ہمیشہ باقی رہتا ہے۔ اتنا تو ہمیں معلوم ہے یعنی ہمارے مشاہدہ کی بات ہے۔ کہ جب تک انسان کا سانس باقی ہے عمل کی تاثیر ختم نہیں ہوتی۔

تاریخ کا مشہور واقعہ ہے کہ فردوسی نے جب سلطان محمود غزنوی کی فرمائش بموجب ساٹھ ہزار شعروں کا شاہنامہ پیش کر دیا۔ تو اول اپنی قرارداد کے بموجب انعام دینے میں محمود غزنوی کو تامل ہوا بالآخر جب یہ طے کر لیا کہ جو انعام (فی شعر ایک دینار) طے ہوا تھا۔ وہ ادا کرنا ہے تو انعام کی رقم فردوسی کے مکان کی طرف چل رہی تھی۔ اور فردوسی زندگی کے سانس پورے کر کے قبرستان جا رہا تھا (اللہ بس باقی ہوس)

مطلب یہ ہے کہ فردوسی نے جو فعل کیا تھا اس کی تاثیر نہ صرف اس کی زندگی کے آخری سانس تک باقی رہی بلکہ اس کی وفات کے بعد بھی باقی رہی اور کہہ سکتے ہو کہ اتنی تاثیر آج تک باقی ہے۔ کہ ہر صاحب نظر کی نظر میں فردوسی قابلِ احترام ہے اور سلطان محمود پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس نے وعدہ پورا کرنے میں پس و پیش کیوں کیا۔

اچھا جب ہم نے کہا کہ انسان ختم ہی نہیں ہوتا۔ موت فنا نہیں ہے بلکہ انتقال ہے۔ ایک عالم سے دوسرے عالم کی طرف تو کیا درست ہوگا کہ عملِ انسان کو ختم مان لیا جائے اور اسے منتقل شدہ نہ مانا جائے جس کے اثرات یہاں بھی رہیں اور وہاں بھی ہوں۔

ہاتف غیبی وحی کے ذریعہ انسان کو یہی تنبیہ کرتا رہتا ہے اور یہی آگاہی دیتا رہتا ہے۔ غافل جس طرح موت سے تیری فنا نہیں ہے تیرے عمل کو بھی فنا نہیں ہے۔

یہاں ہم ان کو نہیں بائیں گے جن کو انسانی ترقی اور انسانی تنزلی کا فرق بھی معلوم نہیں ہے جن کی ترقی کا الٹا اثر یہ ہے کہ نوعِ انسان دولتِ اطمینان سے محروم ہے اور جیسے جیسے ترقی کی رفتار تیز ہو رہی ہے اور آپس کی بے اعتمادی بڑھ رہی ہے خوف و ہراس کی وبا پھیل رہی ہے۔ انسان کو انسان سے نفرت ہو رہی ہے اور

جذبات عداوت میں بحران پیدا ہو رہا ہے۔ دعویٰ ہے دانشمندی اور ہمہ دانی کا۔ مگر دانش وری یہ ہے کہ خود اپنی خبر نہیں کہ وہ کیا ہے ؂

باہمہ ذوقِ آگہی، ہائے رے پستیٔ بشر
سارے جہاں کا جائزہ، اپنے جہاں سے بے خبر

ایک صاحب فرماتے ہیں اور صحیح فرماتے ہیں ؂

نور و نار بھی شامل ہے، سوز و ساز بھی داخل ہے
جانے کیا کیا ترکیبیں ہیں، اجزائے اجزانی میں
یہ کھٹکا سا ہے کیا، آخر جس کے سہارے جیتا ہوں
حال دنیا معلوم ہو گیا، جب حال دل معلوم نہیں

ایک دانش مند کے خیال میں دانشوری یہی ہے کہ نادانی کا اعتراف کیا جائے۔

تا بداں جا رسید دانش من که بدانم ہمی که نادانم

یہاں ہم صرف ان کی بات مانیں گے۔ جن کے متعلق دنیا کے دانشور دانش مند مانتے ہیں قدرت نے ان کو پیدا ہی اس لئے کیا تھا کہ وہ انسان کو آگاہ کریں کہ انسانیت کیا ہے آدمیت کسے کہتے ہیں۔ اس کا کیا مقصد ہے اور وہ کیا فرائض ہیں جو اس پر عائد ہوتے ہیں۔ دنیا میں ہر فن کے ماہر ہوتے ہیں۔ اس فن سے ان کو دلچسپی ہوتی ہے اور ان کا نشو و نما ابتدا سے ایسا ہوتا ہے جو اس فن کے مناسب ہوتا ہے۔ انسانیت کی تشخیص، انسانیت کا بناؤ سنوار یہ ہر ملک اور ہر قوم میں اس کے ماہر گذرے ہیں۔ انہوں نے انسان کو پہچانا، انسانیت کو پہچانا اس کی خوبیوں اور خرابیوں کو معلوم کیا۔ خوبیوں کو بڑھانے اور خرابیوں کو دور کرنے کی ترکیبیں بتائیں۔ نسخے ایجاد کئے۔ مذہب کی زبان میں ان کو نبی کہتے ہیں ہم ان سب کا احترام کرتے ہیں۔

یہ مسئلہ ہم ان سے دریافت کریں گے۔ کہ عمل کا تعلق عمل کرنے والے سے کیا ہوتا ہے۔ وہ ختم ہونے والی چیز ہیں یا پتھر کی لکیر ہیں جو ہر انسان پر کندہ ہو جاتی ہیں۔ کیا عمل کا بھی ایک عالم ہے اور جس طرح ہمارے الفاظ فضا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اور اپنا وجود رکھتے ہیں۔ یہ عمل بھی اپنی خصوصیات اور تاثرات کے ساتھ اپنا وجود رکھتے ہیں۔

روحانیت کے ماہرین اور شرافت و انسانیت ان فن کاروں نے جن کو نبی کہا جاتا ہے بالاتفاق ایک ہی بات بتائی تھی مگر ان کی بتائی ہوئی باتیں لوگوں کو یاد نہیں رہیں کیونکہ انہوں نے ان کو اپنے زمانے میں لکھوایا نہیں تھا۔ اور اگر کسی نے کچھ لکھوا دیا تو وہ گم ہو گیا۔ یا جس زبان میں لکھوایا ہوگا تو وہ زبان محفوظ نہیں رہی ایک چیز بالکل محفوظ ہے۔ اس کو اسی وقت لکھوا دیا تھا جب اس کا نزول ہوا تھا۔ لکھوانے کے ساتھ یاد بھی

گرا دیا تھا چنانچہ وہ ابتدا سے لے کر آج تک صحیفوں اور تحریروں میں بھی محفوظ چلا آتا ہے۔ اور لاکھوں کروڑوں انسانوں کے سینوں میں بھی اسی طرح محفوظ ہے۔ یہ قرآن حکیم ہے جو صرف حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا مجموعہ نہیں بلکہ ان تمام مقدس انسانوں کی تعلیمات کا محفوظ مجموعہ ہے جو روحانیت کے ماہر اور رانسانیت کے معلم بن کر دنیا میں آئے۔ وہ دنیا سے الگ رہتے ہوئے دنیا والوں کی اصلاح کرتے رہے نوع انسان کی درستی اور انسانیت کی سدھار میں انہوں نے اپنی پاک زندگیاں صرف کیں۔ ان مقدس اور پاک بزرگوں نے جو بتایا وہ عقل سے بعید نہیں۔ بلکہ رات دن کا ہمارا مشاہدہ ہے۔ ہم دیکھتے ہیں تجربہ کرتے ہیں مگر غور نہیں کرتے۔

مشاہدہ:۔ اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ انسان جس طرح مختلف عناصر کا مجموعہ ہے اسی طرح اس کے ذہن اور دماغ کا چھوٹا سا سوٹ کیس یا فائل بکس بہت سی صلاحیتوں کا سیف و خزانہ ہے۔ ہر ایک صلاحیت اپنے اپنے خزانہ میں سجی ہوئی ہے۔ انسان جس کو بڑھانا چاہے بڑھا سکتا ہے۔ بڑھانے والی چیز پریکٹس ہے (مشق یعنی مسلسل عمل) مشق سے پہلے تعلیم کی ضرورت ہوتی ہے۔ مگر تعلیم صلاحیت کو بڑھاتی نہیں اس کو بیدار کرتی ہے اس کا رخ کرتی اور راستہ مقرر کر دیتی ہے۔

ریت اور کنکریوں سے کھیلنے والا بچہ بڑا ہوا تو طبیب حاذق یا ڈاکٹر تھا۔ اس کی فطرت میں ایک صلاحیت تھی تعلیم نے اس کو بیدار کیا، چمکایا اس کو طبابت اور ڈاکٹری کے راستہ پر لگایا اور رات دن کی مشق اس کی صلاحیت کو پختہ کر دیتی ہے۔ مرض کی تشخیص کر کے وہ نسخہ تجویز کرتا ہے۔ مریض شفایاب ہوتا ہے اور اس کا تجربہ بڑھتا ہے اور صلاحیت پختہ ہوتی ہے یہاں تک کہ طبابت اس کا مزاج بن جاتی ہے۔ رب اور پروردگار کا اعتراف فطری جوہر ہے تعلیم نے اسے روشن کیا۔ پھر تعلیم پر اس نے عمل کیا تو یاد خدا اس کی طبیعت ثانیہ بن گئی۔ اور وہ ایسا ہو گیا کہ دنیا والے اسے دیکھتے ہیں تو ان کو بھی خدا یاد آجاتا ہے۔ جلاد کو جب پہلی مرتبہ قتل کرنے یا پھانسی پر چڑھانے کا حکم دیا گیا اس کو بہت جھجک ہوئی گویا خود اس کو پھانسی دی جا رہی ہے لیکن جب یہ عمل بار بار کیا گیا تو جھجک کے بجائے اسے مزہ آنے لگا اس کی طبیعت جلاد بن گئی اور اب کی صورت دیکھتے ہیں تو خوف معلوم ہوتا ہے

دنیا کے ان تمام مقدس بزرگوں نے جن کو نبی کہا جاتا ہے۔ یہی بتایا ہے کہ انسان کا کوئی عمل رائیگاں نہیں جاتا۔ وہ انسان کی صلاحیت پر اثر ڈالتا ہے۔ اور اس کو اپنے رنگ میں رنگ دیتا ہے اچھے عمل کرنے والا انسان اچھا ہو جاتا ہے۔ برے عمل کرنے والا انسان برا بن جاتا ہے۔ جیسا بوتا ہے ایسا ہی پھل پاتا ہے۔ ببول کے بیج بو کر انگور کے خوشوں کی توقع نہیں کی جا سکتی۔

از مولانا محمد عبدالمعبود صاحب۔ رحمان پورہ۔ راولپنڈی

خلافتِ صدیقی رضؓ میں عسکری نظام

یوں تو عرب کے باشندے پیدائشی طور پر جنگ جو اور تلوار کے دھنی تھے۔ لیکن ان کے ہاں باقاعدہ فوجی نظام یا کوئی منظم عسکری قوت نہیں تھی۔ وہ "گمریز یا جنگ" کے عادی تھے۔ جیسے آج کل کی اصطلاح میں "گوریلا وار" کہا جاتا ہے۔ اس کے برعکس عجمی ممالک میں صف بستہ ہو کر لڑنے کا طریقہ رائج تھا جسے عربی میں "زحف" کہا جاتا ہے۔ سپہ سالارِ اعظم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حسب موقع و محل دونوں طریقے اختیار فرمائے ہیں۔ آپؐ نے زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح عسکری تنظیم پر بھی خصوصی توجہ دی۔ اسی حسن تنظیم ہی کی کرشمہ سازی سے خلیفۃ المسلمین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں دنیا کی سپر طاقتوں ایران اور روم کی فوجوں کو مسلمانوں نے اپنی قلتِ تعداد اور بے سروسامانی کے باوجود شکستِ فاش سے دوچار کیا۔

لشکر کی تقسیم | عربی میں لشکر کو "خمیس" کہا جاتا ہے جو لفظ "خمس" سے مشتق ہے۔ لشکر حسب ذیل پانچ حصوں میں تقسیم ہونے کی وجہ سے اسے خمیس کہا جاتا ہے۔ ایک دستہ فوج جس میں امیر لشکر ہوتا ہے اسے "قلب" کہا جاتا تھا۔ امیر لشکر کے دائیں جانب والے حصہ کو "میمنہ" اور بائیں جانب والے کو "میسرہ" کہتے تھے۔ لشکر کا پچھلا حصہ "ساقہ" اور اگلا حصہ "مقدمۃ الجیش" یا "طلیعہ" کہلاتا تھا۔

لشکر کی ترتیب دو قسم کی ہوتی تھی۔ پہلی ترتیب قریب، جس میں لشکر کے سب حصے پاس پاس ہوتے تھے اس قسم کو "تعبیہ" کہتے اور دوسری ترتیب بعید، جس میں لشکر کے مختلف حصے ایک دوسرے سے فاصلہ پر ہوتے تھے اس اعتبار سے لشکر کے ہر ایک حصہ کو "کردوس" کہا جاتا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں "تعبیہ" کا عام رواج تھا۔ لیکن سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شام پہنچنے پر جب دیکھا کہ دشمن کی تعداد دو لاکھ چالیس ہزار کے قریب ہے جب کہ اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تعداد صرف چھتیس ہزار تھی تو انہوں نے کمال دانشمندی اور حسنِ تدبر سے "تعبیہ" کی بجائے "کرادیس" کے اصول کے مطابق اپنی فوج کو ۳۶ سے ۴۰ دستوں میں بانٹ دیا۔ اور دشمن کو مرعوب کرنے کے لئے یہ تدبیر بے حد مفید ثابت ہوئی۔ آپ نے ہر ایک دستہ کو تقریباً ایک ایک ہزار

مجاہدین کا بنایا۔ اور سب کا الگ الگ امیر مقرر کر دیا۔ "قلب" کے دستوں پہ ابو عبیدہ بن جراح کو امیر بنایا۔ میمنہ کے دستوں کے لئے امیر عمرو بن العاص اور شرحبیل بن حسنہ تھے اور میسرہ کے امیر یزید بن ابی سفیان تعینات کئے۔

اگرچہ رومیوں کی تعداد انتہائی زیادہ تھی جس سے مجاہدین کو مرعوب کیا جا سکتا تھا۔ اور دشمن کی جانب سے اس کثرت اور قلت کا چرچا بھی زوروں پر تھا۔ لیکن سیدنا خالد بن ولید نے اس موقع پر ایک ایسا جادو اثر خطبہ ارشاد فرمایا جس کے نتیجہ میں حق و باطل کا امتیاز روز روشن کی طرح واضح ہو گیا۔ آپ نے فرمایا۔

" افراد کے مقابلہ میں ایمان و یقین کی طاقت انتہائی زبردست ہے۔ اور افراد کی قلت یا کثرت کامیابی یا ناکامی کا موجب نہیں ہوا کرتی۔ بلکہ فتح و کامرانی من جانب اللہ ہوتی ہے"

چنانچہ دنیا نے دیکھ لیا کہ مجاہدین کی مٹھی بھر جماعت نے کفار کے لشکر جرار کو تہس نہس کر کے اسلام کی حقانیت کا لوہا منوا دیا۔

محاذ جنگ پر وعظ | سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں اس بات کا بھی اہتمام کیا گیا تھا کہ مجاہدین کے دلوں کو جذبہ جہاد سے گرمانے اور ان میں جوش و خروش پیدا کرنے کے لئے ولولہ انگیز خطیب لشکر کے ساتھ بھیجے جاتے۔ جو قرآنی آیات اور احادیث نبوی کی تلاوت اور پر جوش تقاریر کر کے مجاہدین کو جوش دلاتے تھے، جیسا کہ غزوہ بدر کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول بن گیا تھا کہ دشمن کے مقابلہ میں صف آرا ہونے کے بعد آپ سورہ انفال کی آیات تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ پھر آپ کے بعد بھی یہ دستور جاری رہا۔ چنانچہ شام کی مذکورہ بالا جنگ کے موقع پر یہ خدمت حضرت ابو سفیان بن حرب کے سپرد تھی۔

جنگی اوزار | اسلامی لشکر شہسواروں اور پا پیادہ دونوں قسم کے مجاہدین پر مشتمل ہوتا تھا۔ اس زمانہ میں عموماً حسب ذیل ہتھیار استعمال ہوتے تھے۔

زرہ۔ تلوار۔ رمح یعنی بڑا نیزہ۔ حربہ چھوٹا نیزہ۔ تیر۔ منجنیق۔ دبابہ اور الضبور۔

نیزے ایک ساحلی علاقے " الخط البحرین" میں بڑے عمدہ بنتے تھے جنہیں " الرمح الخطی" کہا جاتا تھا۔ اور ہند کی تلواریں بھی مشہور تھیں جنہیں " السیف الہندی" کہتے تھے۔ منجنیق کا استعمال توپ یا کمان کی مانند ہوتا تھا جس کے ذریعہ دشمن پر پتھر پھینکے جاتے تھے۔ جو گولہ باری کا کام کرتے تھے۔ " دبابہ" یہ ٹینک نما ایک بہت بڑا خول ہوتا تھا جس میں بہت سے فوجی بیٹھ کر اسے دھکیلتے ہوئے دشمن کے قلعہ تک پہنچ جاتے اور پھر قلعہ پر حملہ بول دیتے تھے۔ دشمن کے تیر اس پر اثر انداز نہیں ہو سکتے تھے۔ "الضبور" بھی دبابہ کے مشابہ تھا۔ یہ ایسی لکڑی سے بنایا جاتا تھا جس پہ کھال چڑھی ہوتی تھی، اس میں بھی حملہ آور سپاہی بیٹھ کر حفاظت اور امن و امان سے دشمن کے قلعہ تک پہنچ جاتے تھے۔ ان دونوں چیزوں کا استعمال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا تھا۔

فوجی یونیفارم | قدیم زمانہ میں جنگ کے وقت کوئی خاص قسم کا لباس یا ملٹری یونیفارم نہیں ہوتا تھا۔ تاریخ میں اس کی کوئی صراحت نہیں ملتی۔ تاہم حفاظت کے لئے زرہ اور خود پہننے کا عام رواج تھا۔ اور سپر رکھنے کا دستور بھی تھا۔ البتہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ پیادہ فوج کی وردی ان چیزوں پر مشتمل تھی۔ چھوٹی قبائیں جو گھٹنوں تک دراز ہوتی تھیں۔ پاجامہ اور جوتا۔ فوجی جوتا موجودہ زمانہ کے افغان باشندوں کے بوٹ سے مشابہت رکھتا تھا۔

کمانڈر انچیف کا منصب | عہد نبوت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خود غزوات میں شریک رہتے تھے اس لئے فوج کی اعلیٰ قیادت، معائنہ کرنا اور ضروری ہدایات دینا یہ سب آپ خود ہی انجام دیتے تھے۔ لیکن عہد خلافت میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمانوں کے متفقہ فیصلہ کے بنیش نظر جنگوں میں شرکت نہیں کر سکتے تھے۔ اس لئے آپ نے محاذ جنگ کے لئے کمانڈر انچیف کا ایک نیا منصب قائم فرما دیا۔ جو میدان جنگ کا سب سے بڑا افسر ہوتا اور تمام فوج کی نقل وحرکت اسی کے حکم کے تابع ہوتی تھی۔ جیسا کہ ابھی بیان ہوا ہے کہ شام کے محاذ جنگ پر خالد بن ولید کمانڈر انچیف تھے۔

فوجی بھرتی | اگرچہ عہد نبوت اور عہد صدیقی میں فوج کا کوئی مستقل اور الگ صیغہ نہیں تھا اور نہ ہی فوجی تعلیم وتربیت کا کوئی انتظام تھا۔ بلکہ قوم کا ہر فرد فوجی تھا اور عرب پیدائشی طور پر جنگ جو تھے ہی بوقت ضرورت اعلان جنگ کر دیا جاتا۔ جو لوگ رضا کارانہ طور پر اپنی خدمات پیش کرتے انہیں جنگ میں شریک کر لیا جاتا تھا۔

البتہ حضرت صدیقؓ اس انتخاب کے وقت اس بات کا خیال رکھتے کہ مشتبہ لوگ شریک فوج نہ ہوں چنانچہ شام کی مہم سر کرنے کے لئے آپ نے جب اسلامی لشکر کی ترتیب دی تو یہ اعلان کر دیا تھا کہ اس میں ایسے لوگ شرکت نہیں کر سکتے جن کے دامانِ اطاعت شعار فرماں برداری پر ارتداد کا داغ لگ چکا ہے۔

دفاعی بجٹ | عہد نبوت میں اسلحہ، سامانِ جنگ اور فوج کے خورد ونوش کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ کیونکہ ہر آدمی اپنا اسلحہ، سواری اور خوراک ساتھ لے کر آتا تھا۔ اور جو لوگ خود انتظام نہیں کر سکتے تھے، چندہ کے ذریعہ ان کا انتظام کر دیا جاتا تھا۔ لیکن سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سب سے پہلے دفاعی بجٹ کی داغ بیل ڈالی اور مختلف ذرائع سے ہونے والی آمدن کا ایک مخصوص حصہ اسلحہ اور دوسرے سامانِ جنگ کی خریداری کے لئے وقف کر دیتے تھے۔ قرآن مجید نے مالِ غنیمت کا جو حصہ اللہ اور اس کے رسول ؐ کے لئے مقرر کیا تھا۔ اسے بھی دفاعی ضروریات پر خرچ کرتے تھے۔

مدینہ منورہ میں "نقیع" ایک مشہور جگہ تھی جس کی چراگاہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگی گھوڑوں کے لئے

مخصوص کر دیا تھا۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس چراگاہ کو باقی رکھا اور صدقہ و زکوٰۃ میں فراہم ہونے والے دبلے پتلے اونٹوں کو " ربذہ " اور اس کے قرب و جوار میں بھیج دیتے تھے۔

فوجی جنرلوں کو ہدایات | اسلحہ اور سامان جنگ یہ سب فوج کے ظاہری اور مادی انتظامات ہیں۔ اصل چیز جس پر فوج کی کامیابی کا انحصار ہے۔ وہ اعلیٰ نصب العین زندگی اور بلند اخلاقی کردار اور کیریکٹر ہے جس پر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خصوصی توجہ دیتے تھے۔ فوج کو روانہ کرنے کے لئے آپ پاپیادہ مدینہ سے باہر دور تک تشریف لاتے فوجی امراء کے سخت اصرار کے باوجود انہیں سواری سے اترنے نہیں دیتے تھے اور نہ ہی خود سواری پر بیٹھتے تھے۔ اور جب فوج روانہ ہوتی تو آپ اسے مفصل احکامات و ہدایات دیتے تھے۔ جن میں جہاد کا مقصد، اس کی اہمیت و ضرورت، خلوص و للہیت، اجر خداوندی، ثواب اخروی و دنیا اور اس کی زندگی کی بے ثباتی وغیرہ پر بڑے موثر انداز میں روشنی ڈالتے۔ اور ساتھ ہی ایسے جنگی احکامات جاری کرتے جن سے آپ کی مہارت فن حرب، حسن تدبیر، بیدار مغزی، دشمن اور اس کے ملک سے کمال واقفیت کا ثبوت ملتا تھا۔

اس ضمن میں حضرت اسامہ بن زید اور یزید بن ابی سفیان کی دی جانے والی ہدایات کا تذکرہ گذر چکا ہے۔ لیکن حضرت خالد بن ولید جو مایۂ ناز اور نامور جنرل تھے انہیں " ذوالقصہ " کی طرف مرتدین سے جنگ کے لئے روانہ کرتے وقت جو ہدایات دی تھیں وہ سنہری حروف سے لکھنے کے لائق ہیں۔ فرمایا

" تمہارے اِدھر اُدھر قبیلہ " طے " ہوگا۔ اگرچہ تمہارا رخ " بزاخہ " ہی کی طرف ہوگا۔ لیکن تم جنگ کی ابتدا " طے " ہی سے کرنا۔ پھر " بزاخہ " سے فارغ ہو کر " بطاح " جانا۔ اسے سر کر لینے کے بعد اس وقت تک وہاں سے نہ ہٹنا جب تک میں تمہیں کمک نہ بھیج دوں "

ان ہدایات کے ساتھ حضرت خالد بن ولید کو تو روانہ کر دیا لیکن یہ خبر بھی مشہور تھی کہ وہ خود خیبر جا رہے ہیں وہاں سے پلٹ کر " اکناف سلمیٰ " میں خالد بن ولید کے لشکر سے آملیں گے۔ یہ خبر دشمنوں پر بجلی بن کر گری۔ اور وہ ایسے مرعوب ہوئے کہ قبیلہ طے کے سرکش لوگ بھی تابع ہونے لگے۔

اسی طرح عراق کی مہم پر حضرت خالد اور عیاض بن غنم کو روانہ کیا تو حضرت خالد بن ولید کو حکم دیا کہ وہ عراق سے زیریں علاقہ سے جائیں اور عیاض کو ہدایت دی کہ وہ بالائی علاقہ سے سفر کریں۔ اور فرمایا تم دونوں میں سے جو شخص بھی حیرہ پہلے پہنچے گا وہی حیرہ کی مہم کا امیر ہوگا۔ پھر فرمایا کہ حیرہ پہنچنے تک عرب اور ایران کے درمیان فوجی چھاؤنیوں کا تم صفایا تو کر ہی چکے ہوگے اور تمہیں اطمینان حاصل ہو چکا ہوگا کہ مسلمانوں پر پشت کی جانب سے حملہ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے تم دونوں میں سے ایک آدمی حیرہ میں قیام کرے اور دوسرا آگے بڑھ کر دشمن سے نبرد آزما ہو جائے۔

یہ تو خالص جنگی ہدایات تھیں اس کے بعد ارشاد فرمایا :۔

ہاں! اللہ سے مدد مانگنا۔ اس سے ڈرنا۔ آخرت کو دنیا پر مقدم رکھنا۔ تم ایسا کرو گے تو دنیا و آخرت دونوں تمہیں ملیں گی۔ اور دنیا کو آخرت پر ترجیح نہ دینا۔ ورنہ دونوں کا خسارہ ہوگا۔ اور جن چیزوں سے اللہ نے بچنے کا حکم دیا ہے ان سے بچتے رہنا۔ معاصی سے الگ رہنا۔ اگر کوئی معصیت ہو جائے تو فوراً توبہ کرنا۔ اور کبھی کسی گناہ پر اصرار نہ کرنا۔"

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنگی امور میں واقفیت اور بیدار مغزی کا یہ عالم تھا کہ مدینہ میں بیٹھے ہوئے سینکڑوں میل دور میدانِ جنگ نگاہ میں رہتا تھا۔ اور حسب موقع و مصلحت اس کے لئے احکامات جاری کرتے رہتے تھے۔ حضرت خالد بن ولید، حضرت صدیق کی ان معاملات میں اصابت رائے سے واقف تھے اس لئے خلیفۃ المسلمین کا اگر کوئی حکم ان کی طبیعت کے خلاف ہوتا تب بھی اس کی پابندی لازماً کرتے تھے۔ چنانچہ حیرہ کی فتح کے بعد سیدنا صدیق اکبرؓ نے حکم بھیجا کہ اب پیش قدمی نہ کریں۔ اس حکم کی تعمیل میں حضرت خالد سال بھر وہیں معطل پڑے رہے مگر کیا مجال تھی کہ بارگاہ خلافت کے حکم کی خلاف ورزی کر سکیں۔ ایک اور موقع پر بھی ایسا ہی ہوا جس کی وجہ سے بعض لوگ چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ لیکن حضرت خالد نے فرمایا:۔

"خلیفہ کی رائے یہی ہے اور ان کی رائے پوری قوم کی رائے کے برابر ہے۔"

اسی طرح شام کی طرف آپ نے بیک وقت متعدد لشکر روانہ کئے چونکہ آپ رومیوں کی جنگی چالوں کو خوب جانتے تھے۔ ان کے جنگی ہتھکانوں سے بھی واقف تھے اس لئے امرائے عساکر اسلام کو جو ہدایات جاری کیں ان میں راستوں اور شہروں تک کا تعین کر دیا اور فرمایا۔

" رومی تمہیں ایک محاذ پر جمع کر کے مڈبھیڑ کرنا چاہیں گے اس لئے میں چاہتا ہوں کہ نشیبی علاقہ سے جانے والا بالائی راستہ سے جائے اور بالائی راستہ سے جانے والا نشیبی علاقہ سے جائے (یعنی راستے بدل بدل کر جاؤ) تاکہ رومی دستوں کو مجتمع ہونے کا موقع ہی نہ ملے۔"

اس واقعہ کو بیان کرنے والے حضرت عروہؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو کچھ فرمایا تھا وہ حرف بحرف صحیح ثابت ہوا۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوج کو صرف ہدایات دینے پر ہی قناعت نہیں کرتے تھے بلکہ وقتاً فوقتاً خود بھی چھاؤنیوں اور فوجی مراکز کا معائنہ کرتے تھے اور جہاں کہیں کوئی خرابی نظر آتی اس کا فوراً تدارک کرتے۔ آپ کی بیدار مغزی، روشن ضمیری، احکامات و ہدایات اور غلطیوں پر بروقت تنبیہ کا یہ نتیجہ تھا کہ پوری فوج اور اس کے امراء ہر وقت چوکنے رہتے۔ ان میں ڈسپلن قائم رہتا، بلند تر نصب العین زندگی ان کے نظر کے سامنے رہتا اور ان میں کبھی اخلاقی پسماندگی پیدا نہیں ہوتی تھی۔ اور حقیقت میں مادی آلات و اسباب سے قطع نظر یہی چیز ایک فوج کی کامیابی

کا سب سے بڑا ذریعہ ہیں۔

اسلامی لشکر کو جن مایہ ناز ہدایات کے ساتھ روانہ کیا جاتا تھا اس کی تعریف سے غیر مسلم مورخ بھی رطب اللسان ہیں۔ چنانچہ پروفیسر ہٹی لکھتا ہے۔

" مسلمان عرب فوجوں کی طاقت کا اصل راز نہ تو ان کی اسلحۂ جنگ کی برتری میں ہے اور نہ ہی ان کی اعلیٰ درجہ کی تنظیم میں۔ بلکہ درحقیقت یہ اس اعلیٰ کیریکٹر اور بلند اخلاقی کردار کا مرہون منت ہے جس کے پیدا کرنے میں بلاشبہ ان کے مذہب کا بہت بڑا حصہ ہے "

اسی طرح مشہور مستشرق دخوئی کہتا ہے :۔

" حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فوجوں کو جو ہدایات دی تھیں ان میں اعتدال اور معقولیت کی جو روح کارفرما ہے اس کے باعث بجا طور پر ان کی داد دینی پڑتی ہے ۔۔۔ درحقیقت شام میں لوگ عربوں کی جانب بہت مائل ہو گئے تھے اور ایسا ہونا بھی چاہیے تھا کیونکہ عربوں نے مفتوحہ علاقوں میں لوگوں کے ساتھ جو حسن سلوک کیا اگر اس کا مقابلہ وہاں کے سابق بے اصول ظالم بادشاہوں کے رویہ کے ساتھ کیا جائے تو بہت بڑا فرق نظر آتا ہے ۔

شام کے جو عیسائی کالسی ڈون کا فیصلہ نہیں مانتے تھے قیصر روم ان کے کان اور ناک کاٹ دینے کا حکم دیتے اور ان کے مکانات گرا دیے جاتے تھے لیکن اس کے برعکس عرب مسلمان جو حضرت ابوبکر صدیقؓ کی ہدایات پر عمل کرتے تھے وہ مقامی باشندوں کے دل موہ لیتے تھے جس کی وجہ سے لوگ ان کے گرویدہ ہو جاتے تھے "

یہ تھے خلافت راشدہ کے خلیفہ اول کے سنہری اصول جن کی تعریف کرنے پر غیر مسلم بھی مجبور ہیں ۔

قسط ۵

پروفیسر محمد اسلم صدر شعبۂ تاریخ پنجاب یونیورسٹی۔ لاہور

اولیاء کرام اور سلاطین اسلام کی مرثیہ خواں

دہلی کا تازہ سفرنامہ

اسلام کی عظمت رفتہ کے کھنڈرات

نواب مرتضیٰ خان فرید بخاری کا شمار اکبر اور جہانگیر کے نامور امراء میں ہوتا ہے۔ اکبر نے ان کی خدمات جلیلہ سے خوش ہو کر انہیں "فرزند" کا خطاب عطا کیا تھا اور جہانگیر نے اپنی تخت نشینی کے بعد انہیں مرتضیٰ خان کا خطاب دیا تھا۔

نواب موصوف کا تعلق امراء کے اس گروہ کے ساتھ تھا جنہیں حضرت مجدد الف ثانیؒ "جبر گوشہ مداں دولت اسلام" کے نام سے یاد فرماتے ہیں مکتوبات امام ربانی میں نواب مرتضیٰ خان کے نام دو درجن کے قریب گرامی نامے موجود ہیں۔ اسی طرح شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے مجموعہ "المکاتیب والرسائل" میں ان کے نام متعدد خط محفوظ ہیں۔ حضرت خواجہ باقی باللہ دہلوی رحمہ اللہ کے مکتوبات میں بھی نواب موصوف کے نام ایک سے زائد خط موجود ہیں۔

نواب مرتضیٰ خان اس گروہ امراء کے سرخیل تھے جو اسلامی نظام حکومت کا حامی تھا۔ اور نفاذ شریعت کے لئے سرتوڑ کوشش کر رہا تھا۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ اپنے ایک مکتوب مرغوب میں نواب صاحب کو لکھتے ہیں کہ احیائے دین کی تحریک ان ہی کے دم قدم سے چل رہی ہے۔ حضرات امام ربانیؒ فرماتے ہیں کہ ان کی اپنی مثال تو اس بڑھیا کی سی ہے جو سوت کی ایک انٹی لے کر حضرت یوسف علیہ السلام کے خریداروں میں شامل ہو گئی تھی حضرت مجدد رحمۃ اللہ کی اس تحریر سے نواب موصوف کا مقام متعین کرنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔

نواب مرتضیٰ خان کی قبر شیخ محمد اکرم مرحوم، صاحب " رود کوثر " نے دہلی میں دیکھی تھی۔ اور ان کے لوح مزار کا کتبہ بھی نقل کیا تھا۔ میں گذشتہ سولہ برسوں سے اس قبر کی تلاش میں تھا لیکن سڑکوں کے نام بدل جانے اور نئی نئی آبادیاں بن جانے سے ہر بار ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ دہلی کے بڑے بوڑھے بھی ان کے مزار کی نشاندہی نہ کر سکے۔ بلکہ مفتی عتیق الرحمن عثمانی، مفتی ضیاء الحق اور مولانا شاہ زید ابوالحسن نے تو مجھے اس بات کا یقین دلا دیا تھا کہ اب ان کی قبر مٹ چکی ہوگی اور اس کے گرد لوہے کے جس جنگلے کی نشاندہی شیخ محمد اکرم نے کی تھی اُسے کسی کباڑیئے نے اکھاڑ کر فروخت کر دیا ہوگا۔ اس لئے اس قبر کی موجودگی کا خیال دل سے نکال دینا چاہیئے۔

میں ایک روز مفتی ضیاء الحق صاحب کے پاس مدرسہ رحیمیہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ فرید آباد کے خطیب اُن سے ملنے

آ گئے۔ مفتی صاحب نے میرا ان سے یہ کہتے ہوئے تعارف کرایا کہ مجھے بھی ان کی طرح پرانے مقبرے اور تاریخی مقامات دیکھنے کا شوق ہے۔ خطیب صاحب اس پر بڑے خوش ہوئے اور انہوں نے مجھے بتایا کہ ابھی حال ہی میں انہوں نے نواب مرتضیٰ خان کی قبر دیکھی ہے۔ ان کی بات سن کر میں اپنی جگہ سے اچھل پڑا اور ان سے کہا کہ میں تو سولہ برسوں سے اس کی تلاش میں ہوں۔ لیکن اس کا اتہ پتہ نہیں ملتا۔ خطیب صاحب نے فرمایا کہ ان کی مسجد کے اندر ایک قبر ہے جسے وہ نواب صاحب کی قبر سمجھتے رہے ہیں[1]

گذشتہ دنوں کراچی سے ہاشمی مطلبی فریدآبادی کے ایک عزیز فریدآباد آئے تو انہوں نے ان سے اس کی تصدیق کرنا چاہی تو انہوں نے بتایا کہ یہ قبر نواب مرتضیٰ خان کی نہیں ہے۔ ان کی قبر تو مالویہ نگر میں ہے ان کی نشان دہی پر خطیب صاحب نے مالویہ نگر جا کر قبر تلاش کر لی۔

میرے استفسار پر خطیب صاحب نے فرمایا کہ میں کسی دن لال قلعہ سے مالویہ نگر جانے والی ۵۰۳ نمبر بس میں سوار ہو جاؤں۔ گھنٹہ سوا گھنٹے بعد یہ بس مالویہ نگر پہنچے گی۔ میں کنڈکٹر کو بتا دوں کہ وہ مجھے بیگم پور کے بس سٹاپ پر اتار دے۔ بس سے اتر کر ایک چھوٹی سی بستی "سراوڑی" کا پتہ پوچھوں۔ اس بستی میں چوہدری دلیپ سنگھ کا ٹیوب ویل ہے اور اسی کے قریب ہی کھنڈروں میں نواب صاحب کی قبر ہے۔ اس پر کتبہ نصب ہے اور لوہے کا جنگلہ بھی موجود ہے۔

میں اگلے روز چوہدری دلیپ سنگھ کے ٹیوب ویل پر پہنچ گیا۔ وہاں دو تین بوڑھیاں بیٹھی تھیں۔ میں نے ان سے نواب مرتضیٰ خان کی قبر کا پتہ پوچھا تو وہ حیرت سے میرا منہ تکنے لگیں۔ میں نے قبر کی بجائے مزار اور پھر مقبرے کا نام لیا لیکن وہ خاموش رہیں۔ میں نے تنگ آ کر ان سے پوچھا کہ یہاں کسی مسلمان کی سمادھی ہے؟ اس پر انہوں نے اثبات میں سر ہلایا اور ایک کھنڈر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہنے لگیں کہ اس کے پار وہ سمادھی موجود ہے۔ وہاں سے کھنڈر کا فاصلہ سو گز کے قریب تھا اور موسم برسات میں خودرو جھاڑیوں نے وہاں تک پہنچنے کا راستہ مسدود کر رکھا تھا۔ میں نے ایک نوعمر لڑکے سے کہا کہ میں اسے کچھ رقم دے دوں گا۔ وہ مجھے وہاں تک پہنچا دے۔ اس نے کہا کہ راستے میں سانپ کا خطرہ ہے اس لئے وہ وہاں تک نہیں جا سکتا۔

میں اللہ کا نام لے کر زمین پر زور زور سے پاؤں مارتا ہوا اور منہ سے شی شی کی آوازیں نکالتا ہوا بمشکل تمام اس کھنڈر تک پہنچا جب میں ڈھلان کے اوپر چڑھا تو معلوم ہوا کہ میں ایک مسجد کی دوسری منزل پر کھڑا ہوں۔ میں جب گھوم کر جنوبی سمت گیا تو ایک احاطے میں چند قبریں نظر آئیں۔ ان میں لوہے کے جنگلے والی قبر سب سے نمایاں تھی۔ اور صرف اسی پر کتبہ نصب تھا۔

---

[1] یہ قبر دراصل میرے فاضل دوست جناب خورشید انصاری فریدآبادی کے جد امجد محمد اعظم پانی پتی کی ہے۔

میں ایک زینے کے راستے نیچے اترا۔ اور احاطۂ قبور میں داخل ہوا۔ برسات کا موسم تھا۔ خودرو جھاڑیوں کی وجہ سے زمین پر پاؤں دھرنا محال تھا۔ میں بادلِ نخواستہ پختہ قبروں کے اوپر سے پھلانگتا ہوا اور مرحومین کے لئے دعائے مغفرت کرتا ہوا نواب صاحب کی قبر تک پہنچا۔ یہاں آکر مجھے ہوا کہ وہ لڑکا جان بوجھ کر مجھے یہاں تک نہیں لایا۔ ٹیوب ویل پر کام کرنے والے ملازمین رفعِ حاجت کے لئے یہاں آتے ہیں۔ گھنی جھاڑیوں کی وجہ سے زمین پر بیٹھنا محال ہے۔ اس لئے وہ پختہ تعویذوں پر بیٹھ کر مزارات کی بے حرمتی کرتے ہیں۔ میرے دل میں ایک ہوک سی اٹھی کہ خواجہ باقی باللہؒ، مجدد الف ثانیؒ اور شیخ عبدالحق محدثؒ کے ممدوح اور "جرگۂ مردانِ دولت اسلام" کے سرخیل نواب مرتضیٰ خان کی قبر اب کس حال میں ہے۔ یہ اس بزرگ کی قبر ہے جس کے دم قدم سے عہدِ مغلیہ کے کئی مدارس اور خوانق کی رونق قائم تھی۔

نواب موصوف کی قبر کے سرہانے سنگ مرمر کی قدآدم لوح نصب ہے۔ سنگ تراش نے حروف کھودنے کی بجائے ابھار دئے ہیں۔ اس لئے وہ دور سے پڑھے نہیں جاتے تھے۔ میں نے نواب صاحب کے لئے دعائے مغفرت کی اور ہمت کرکے جنگلے کے اندر کود گیا۔ میں نے بدقت تمام وہ عبارت نقل کرلی۔ وہو ہذا۔

یا اللہ

سبحان الملک الحی الذی لایموت و لایفوت۔ در زمانِ دولت حضرت عرش آشیانی جلال الدین اکبر پادشاہ غازی شیخ فرید الدین ابن سید احمد بخاری بعنایات آں حضرت ممتاز بود و در عہد عدالت نورالدین جہانگیر پادشاہ ابن اکبر پادشاہ بخطاب مرتضیٰ خانی سرفراز گردید۔ بتاریخ ۹ جلوس مطابق ۱۰۲۵ ہجری برحمت الٰہی پیوست

مرتضیٰ خاں چو بحق واصل شد — گشت اقلیم بقا مفتوحش
بہر تاریخ ملائک گفتند — باد پُر نور الٰہی رُوحش

شیخ محمد اکرام مرحوم نے یہ عبارت پڑھنے میں چند غلطیاں کی تھیں۔ وہ میں نے درست کرلی ہیں۔ انہوں نے مرحوم فریدالدین اور سید احمد بخاری کے درمیان "ابن" حذف کر دیا ہے۔ اسی طرح اکبر پادشاہ کو اکبر بادشاہ بنا دیا ہے۔ لوحِ مزار پر مرتضیٰ یائے معروف کے ساتھ لکھا ہے۔ انہوں نے یائے مجہول کے ساتھ تحریر کیا ہے۔ اسی طرح انہوں نے "خانی" کو "خان" لکھا ہے۔ مزید برآں انہوں نے "چو" کو "چون" قلم بند کیا ہے[1]

نواب مرتضیٰ خان کا مزار تو کہنے کو "محفوظ" ہے۔ اور محکمہ آثارِ قدیمہ کی حفاظت میں ہے لیکن اس سے زیادہ غیر محفوظ عمارت میں نے کبھی نہیں دیکھی۔ ساداتِ کرام کے اس مقدس قبرستان کو رفعِ حاجت کے لئے مختص کر لیا گیا ہے۔ اور قبروں کے تعویذ غلاظت سے اٹے پڑے ہیں۔ کاش دہلی کے باغیرت مسلمان اس کی حفاظت

[1] رودِ کوثر مطبوعہ لاہور ص ۱۸۹ - ۱۹۶۹ء

اور صفائی کی طرف توجہ دیں (مسلم اوقاف کی مجرمانہ چشم پوشی بھی قابل صد مذمت ہے) اگر سڑک پر ایک تختی لگا کر مزار کی نشاندہی کردی جائے تو کوئی بھولا بھٹکا مسلمان راہی وہاں جا کر فاتحہ پڑھ لے۔ اسی بہانے مزار کی صفائی کا انتظام ہو جائے گا۔

اتفاق دیکھئے کہ مجھے اسی سفر کے دوران خدابخش اورنٹیل پبلک لائبریری بانکی پور پٹنہ میں ایک فارسی مخطوطہ مل گیا[1] اس کا عنوان "معارج الکمال" تھا۔ اور اس پر مصنف کا نام اسمٰعیل بن شاہ عالم عبدالعزیز درج تھا۔ فاضل مصنف نواب مرتضیٰ خان کا ملازم تھا۔ اور اس نے یہ کتاب نواب موصوف کے لئے تحریر کی تھی۔ اس کتاب کا موضوع اخلاق ہے لیکن مصنف نے آخری باب میں نواب صاحب کے ذاتی حالات قلم بند کئے ہیں۔ اس باب میں ایسا مواد بھی موجود ہے جو ذخیرۃ الخوانین اور مآثر الامراء میں نہیں ملتا۔ میں نے اس تصنیف کی اہمیت پر ایک مقالہ لکھا تھا۔ جو ماہنامہ قومی زبان کراچی (مئی ۱۹۸۳ء) میں چھپ چکا ہے۔

نواب مرتضیٰ خان کی قبر کا نشان ملنے سے مجھے جو خوشی ہوئی اس کا اندازہ میرے علاوہ اور کوئی نہیں کر سکتا۔ میری سولہ سال کی محنت اور تجسس رایگاں نہیں گیا۔ میں نے اس قبر کا اتہ پتہ پروفیسر خلیق احمد نظامی، حکیم عبدالحمید، ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو اور مولانا سعید احمد اکبر آبادی کو دیا۔ اور ان سے یہ درخواست کی کہ وہ محکمہ آثار قدیمہ پر دباؤ ڈال کر اس کی حفاظت اور صفائی کا انتظام کریں۔

نواب مرتضیٰ خان ایک تاریخ ساز شخصیت تھے۔ اکبر کے آخری عہد حکومت میں جب شیخ مبارک، فیضی، ابوالفضل راجہ بیربر، خواجہ سلطان، راجہ ٹوڈرمل اور بھگوان داس جیسے بااثر اور دین الٰہی کے حامی امراء اور فضلاء فوت ہوئے تو اس خلا کو پُر کرنے کے لئے مرتضیٰ خان، لالہ بیگ، عبدالرحیم خان خاناں، خان جہاں لودھی، نواب قلیچ خان اور میراں صدر جہاں جیسے اسلام اور مسلمانوں کا درد رکھنے والے امراء آگے بڑھے۔ اکبر کی وفات پر جب ہندو راجپوتوں نے جہانگیر کے بیٹے شہزادہ خسرو کو، جو ایک راجپوت شہزادی مان بائی کے بطن سے تھا، تخت پر بٹھانے کی سازش کی۔ تو اس موقعہ پر نواب مرتضیٰ خان نے ان امراء سے مشورہ کر کے جہانگیر کو اس وعدے پر تخت پر بٹھایا کہ وہ الحاد و بے دینی کا خاتمہ کر کے شریعت کے احکام نافذ کرے گا چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جہانگیر نے تخت نشین ہوتے ہی بارہ احکام نافذ کئے جن سے مسلمانوں کو بڑی تقویت ملی۔

جہانگیر کی تخت نشینی کے بعد خسرو نے بغاوت کردی۔ اور وہ اپنے حمائتیوں کے ساتھ لاہور کی جانب فرار ہو گیا۔ جہانگیر نے نواب مرتضیٰ خان کو اس کے تعاقب میں بھیجا اور خود بھی لاہور کی طرف روانہ ہوا۔

نواب مرتضیٰ خان جب آگرہ سے روانہ ہوتے تو اس وقت خسرو لاہور کا محاصرہ کئے پڑا تھا۔ جب خسرو کو یہ اطلاع ملی کہ نواب موصوف اپنے لشکر سمیت سلطان پور لودھی پہنچ گئے ہیں۔ تو وہ لاہور کا محاصرہ اٹھا

---

[1] مخطوطہ نمبر ۲۰۷۵ فارسی

کر کابل جانے کے ارادے سے راوی پار کر گیا۔

نواب مرتضیٰ خان نے اسے دریائے چناب کے کنارے بھیروں وال میں جا لیا۔ وہاں فریقین میں بڑی خون ریز جنگ ہوئی جس میں نواب صاحب کے بہت سے عزیز و اقارب کام آئے۔ نواب صاحب نے بڑی جرأت اور دلیری کا مظاہرہ کرتے ہوئے خسرو کو شکست دے کر گرفتار کر لیا۔

اسی اثنا میں جہانگیر بھی بھیروں وال پہنچ گیا۔ اس نے اس فتح کی خوشی میں نواب صاحب سے معانقہ کیا اور ان کے خیمے میں رات گذار کر ان کی عزت افزائی کی۔ جہانگیر نے فتح کی خوشی میں وہ گاؤں نواب صاحب کو بخش دیا۔ نواب صاحب کی درخواست پر جہانگیر نے اس کا نام فتح آباد رکھا۔

جہانگیر نے نواب صاحب کے منصب میں اضافہ کر کے انہیں گجرات و کاٹھیاواڑ کا گورنر مقرر کیا۔ انہوں نے احمد آباد میں ایک محلہ آباد کیا جو بخارا کے نام سے موسوم ہوا۔ ان کی ہمت اور کوشش سے احمد آباد میں ان کے ہم جدّ حضرت قطب عالم اور حضرت شاہ عالم کی درگاہیں آباد ہوگئیں۔ نواب صاحب نے احمد آباد میں قیام کے دوران بیس ہزار افراد فوج میں بھرتی کئے۔ اور گجرات کے نظم و نسق کی طرف خصوصی توجہ دی۔ ان کے حسنِ انتظام سے اس علاقے میں امن و امان قائم ہوگیا۔

پانچ سال بعد ۱۶۱۰ء میں نواب صاحب کا تبادلہ لاہور ہوگیا۔ یہاں آکر انہوں نے اپنے لیے ایک حویلی تیار کرائی اور حویلی کے صحن میں ایک مسجد بنوائی جس میں موصوف نماز با جماعت ادا کرتے تھے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اپنے ایک مکتوب گرامی میں مسجد کی تعمیر اور جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے پر ان کی خدمت میں ہدیۂ تبریک پیش کیا۔

نواب صاحب نے لاہور میں ایک باغ لگایا جو بعد میں نواب وزیر خان کے تصرف میں آگیا۔ اس باغ میں آج کل عجائب گھر اور پنجاب پبلک لائبریری کی شاندار عمارتیں کھڑی ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے عوام کی سہولت کے لیے ایک حمام بھی بنوایا تھا جس کا اب سراغ بھی نہیں ملتا۔

نواب مرتضیٰ خان نے جہانگیر کے حکم سے ۱۶۱۶ء میں کانگڑہ پر چڑھائی کی۔ اس مہم کے دوران موصوف پٹھانکوٹ میں مقیم تھے کہ انہیں پیغامِ اجل آپہنچا۔ ان کی وصیت کے مطابق ان کی میت دہلی لے جا کر ان کے خاندانی قبرستان میں دفن کی گئی۔

نواب صاحب اولادِ نرینہ سے محروم رہے۔ انہوں نے صدہا یتامیٰ کی اپنے بچوں کی طرح پرورش کی۔ ان کی سرکار سے یتامیٰ اور بیوگان کے وظیفے مقرر تھے۔ انہوں نے جو کچھ کمایا راہِ خدا میں لٹا دیا۔ ان کی وفات پر ان کے خزانے سے صرف ایک ہزار اشرفیاں نکلیں۔ اہلِ نظر نے "داد، خواہد، برد" سے ان کی تاریخ وفات نکالی ہے:

۱۰ ۵ ۲۵

اشتہار عام

میونسپل کمیٹی مردان اپنے علاقہ کے ذیل سڑکوں۔ محلوں۔ گلی کوچوں کے نام جو کہ غیر مسلموں کے نام سے موسوم ہیں یا ناشائستہ ہیں، تبدیل کرانا چاہتی ہے۔

لہذا قرارداد نمبر ۱ پاس شدہ عام اجلاس مورخہ ۸۱-۵-۳۰ کی روشنی میں عوام الناس سے استدعا کی جاتی ہے کہ اپنے علاقہ کے ان گذر گاہوں کے لئے درست شائستہ اور موزوں نام تجویز کر کے مورخہ ۱۵ مئی ۸۴ء ۱۹ تک دفتر بلدیہ مردان کو ارسال فرمائیں۔

۱۔ کس کورونہ
۲۔ سکندری کورونہ
۳۔ بجت گنج
۴۔ ہندو سونوان کورونہ
۵۔ رام باغ
۶۔ باغ رام
۷۔ شام گنج
۸۔ منگل باغ
۹۔ نواب علی رونا
۱۰۔ محلہ فرمان علی
۱۱۔ گرلز سکول سٹریٹ
۱۲۔ محلہ نواب علی
۱۳۔ محلہ آتما رام
۱۴۔ محلہ ستا رام
۱۵۔ مکھی محلہ
۱۶۔ دو میلی محلہ
۱۷۔ جوٹیا محلہ
۱۸۔ بھٹے کورونہ
۱۹۔ ڈھنڈ کورونہ
۲۰۔ ڈاگر سیرے
۲۱۔ محلہ گنگا رام
۲۲۔ مٹھا مل محلہ
۲۳۔ کانشی رام محلہ
۲۴۔ ڈاگئی محلہ
۲۵۔ لنڈاکے
۲۶۔ محلہ غلاماں
۲۷۔ غلام دستہ
۲۸۔ چھچھی محلہ
۲۹۔ پرانا بازار سوتے بازار
۳۰۔ طور گنج
۳۱۔ ہندو کورونہ
۳۲۔ غلئے گگودر
۳۳۔ ملیانی کورونہ
۳۴۔ محلہ ڈگر
۳۵۔ خان کوٹھے
۳۶۔ ڈھیرانے کورونہ
۳۷۔ سکندر کمورڑ
۳۸۔ کوچہ چھپاراں
۳۹۔ کوچہ باغواناں
۴۰۔ کوچہ گڈبنو
۴۱۔ سیرے کورونہ
۴۲۔ منز کندے
۴۳۔ کوز کندے
۴۴۔ محلہ صوبیداراں
۴۵۔ خیبو بغداد
۴۶۔ فقیر بن روڈ

المشتہر

اکرام اللہ شاہد

چیئرمین میونسپل کمیٹی۔ مردان

INF (P) 982

افکار و تأثرات

قارئین بنام مدیر

* صحیح بخاری اور موطا مالک کا موازنہ اور مولانا آزاد
* مولانا لطف اللہ جہانگیروی مرحوم کا خان غازی کابلی دہلی کے نام ایک مکتوب
* ۲۷ رمضان - عہد پاکستان اور مجلس شوریٰ کو صبار کباد
* سائنس علوم اسلامی پس منظر میں بین الاقوامی سیمینار کا پالیسی بیان

صحیح بخاری اور موطا امام مالک کا موازنہ اور مولانا آزاد (مرحوم)

محترمی زاد عنایۃ۔

السلام علیکم - ایک تقریب پیدا ہوگئی - لہذا اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ عریضہ تحریر کر رہا ہوں۔

"الحق" جمادی الثانی ۱۴۰۴ھ میں امام مالکؒ اور ان کی موطا پر آپ کے افادات پڑھے۔ یہ بہت ہی معلومات افزا اور فکر انگیز ہیں۔ عنوان "صحیح بخاری اور موطا کے موازنہ" پر، مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم و مغفور کی رائے کا اقتباس آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ بہ روایت سید رئیس احمد جعفری، بہ حوالہ دید و شنید صفحات ۵۱-۵۲۔

"میں نے مولانا ابوالکلام آزادؒ سے پوچھا۔ کیا وجہ ہے کہ موطا امام مالکؒ اصح الکتاب بعد کتاب اللہ نہیں مانی جاتی۔ حالاں کہ امام مالکؒ زمانی اعتبار سے بھی امام بخاریؒ کے مقابلہ میں رسول اللہ ﷺ سے اقرب تھے اور بخاریؒ کے رواۃ کا وہ درجہ اصحاب خبر کے نزدیک نہیں جو موطا کے رواۃ کا ہے۔ اس سلسلۂ رواۃ کو "سلسلۃ الذہب" کہا جاتا ہے۔"

مولاناؒ غور سے میری معروضات سنتے رہے پھر فرمایا:۔

"آپ جو کچھ کہتے ہیں صحیح ہے لیکن فرق یہ ہے کہ موطا درسی کتاب نہیں ہے۔ علاوہ ازیں اس میں زیادہ تر آثار ہیں۔ نہ کہ اقوال و احکام۔ اور بخاری زیادہ تر اقوال و احکام پر مشتمل ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ صدیوں سے نصاب درس میں داخل ہے۔ اس کی ایک ایک حدیث اور ایک ایک روایت ہزاروں لاکھوں بار جانچی اور پرکھی جا چکی ہے۔"

پھر ایک محویت کے ساتھ فرمایا۔ "سچ کہا تھا ابن حجر نے۔ بخاری کا امت پر قرض ہے اور وہ قرض آج تک باقی ہے۔" یہ جملہ بار بار مولانا نے دہرایا۔ قرض کے لفظ پر خاص زور دیتے تھے۔

یہ روایت مدت سے میرے زیر نظر تھی۔ لیکن میں "قرض" کا مفہوم آج تک نہ سمجھ سکا۔ پچھلے دنوں شائع

شدہ ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہانپوری کی تالیف۔ "ابوالکلام بہ حیثیت مفسر اور محدث" نے یہ مشکل حل کردی ہے۔
اس کتاب کے صفحہ ۱۴۴، زیر عنوان "بخاری شریف کے عجائب و دقائق" کے تحت مولانا آزاد کی یہ
تحریر درج ہے۔

"حق یہ ہے کہ بقول علامہ ابن خلدون صحیح بخاری شریف کی شرح و تفسیر کا قرض اب تک امت کے ذمہ باقی ہے۔ بے شمار شرحوں اور حاشیوں کے بعد بھی اب تک ابن خلدون کا قول ویسا ہی صحیح ہے جیسا "فتح الباری" "عینی" وغیرہ سے پہلے تھا...... اسی مسئلہ خلافت کو سامنے لاؤ۔ اور دیکھو کہ کس وقت نظر کے ساتھ ترتیب ابواب ہی میں اسلام کا "نظام شرعی" واضح کردیا۔ اور اس مسئلہ کی ساری مشکلات حل کردیں"
اس کے بعد ۳-۴ صفحات میں اس عنوان کی وضاحت کے دلائل پیش کئے۔ اور بخاری شریف کی ترجیح ثابت کردی۔

امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوگا۔ والسلام

دعاؤں کا طالب۔ ڈاکٹر شیر بہادر خان پنی۔ دارالشفا ایبٹ آباد

مولانا لطف اللہ جہانگیروی مرحوم کا خان غازی کابلی کے نام ایک مکتوب

مکرمی۔ السلام علیکم۔
میں گذشتہ کئی دنوں سے سخت علیل ہوں۔ حوالاتوں میں رہنے کی وجہ سے صحت بہت خراب ہو گئی ہے۔ حضرت شیخ سے میرے لئے دعا کی درخواست کیجئے۔ میری یہ دونوں تحریریں شاید آخری ہوں کیونکہ میری حالت بہت خراب ہے۔ آپ کی دعاؤں کا محتاج۔ خان غازی
اس مضمون کا ایک عنوان یہ رکھا تھا، "چند حسینوں کے خطوط" مرزا غالب کے اس شعر سے مستعار ہے

چند تصویر بتاں اور چند حسینوں کے خطوط
بعد مرنے کے میرے گھر سے یہ ساماں نکلا

"غازی" جب "دار و رسن" کے "امتحان" دینے کے بعد اور "غازی آباد" سے اپنے "خانہ برباد" میں یکم جنوری ۱۹۸۴ء کو آئے تو زبان پر شاعر کا یہ شعر رواں دواں ہوا ؎

چھٹے اسیر تو بدلا ہوا زمانہ تھا
وہ شاخ ہی نہ رہی جس پہ آشیانہ تھا

مکان (خانۂ برباد) کا جائزہ لیا۔ تو ایک کونے میں دو خطوط نظر نواز ہوئے۔ ایک خط مولانا لطف اللہ صاحب مرحوم فاضل دیوبند آف جہانگیرہ کا اور دوسرا خان محمد یوسف خان (علیگ) آف محلہ سر سید ایبٹ آباد کا تھا۔ "تکلف برطرف" آج کی فرصت میں مولانا لطف اللہ مرحوم کا مکتوب ملاحظہ ہو۔
بخدمت جناب محترم صدیق قدیم خان غازی کابلی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ،

"مجھے کسی شخص کی زبانی معلوم ہوا کہ آپ نے رسالہ "الحق" میں میرے متعلق حالات دریافت کئے ہیں۔ پھر دوبارہ معلوم ہوا کہ آپ نے دوبارہ بھی اس ہیچ مدان کے حالات دریافت کئے ہیں۔ افسوس کہ مجھے آپ کا پتہ معلوم نہ تھا کہ خط لکھوں اسی تلاش میں تھا کہ کل شام کو مولانا محمد یوسف بنوری کے فرزند اور مولانا سمیع الحق صاحب مدیر "الحق" میرے غریب خانہ پر میرے لڑکے کی شادی خانہ آبادی کی مبارکباد کے لئے تشریف لائے تو میں نے ان سے آپ کا پتہ معلوم کیا۔ اور آج اس قابل ہوگیا ہوں کہ آپ کو خط لکھوں"۔

جناب والا غازی صاحب ابھی بقید حیات ہوں۔ کراچی میں سات برس مولانا محمد یوسف بنوری کے ساتھ ایک مدرسہ کے قیام اور اجرا کے بعد کئی سال سے "خانہ نشین" اپنے گھر اور اپنے گاؤں میں مقیم ہوں۔ تقسیم وطن کے بعد کلی طور پر سیاسیات سے کنارہ کش ہوں۔ میری ایک آنکھ کی بینائی جاتی رہی ہے۔ اور ٹانگوں میں بھی تکلیف ہے۔ ان دو بیماریوں کی وجہ سے تمام مشاغل چھوڑ دئے ہیں۔ خدا کے فضل و کرم سے اولاد کی طرف سے خوش نصیب ہوں اور مالی حالت بھی بحمد اللہ اچھی ہے۔

آپ (خان غازی کابلی) جیسے اطبائے قدیم کا تصور کرکے متاسفانہ زندگی گذار رہا ہوں۔ "مجلس احرار اسلام" میں پندرہ برس گذارنے کے بعد سمجھ لیا کہ یہ جماعت ناکام ہو رہی ہے۔ اس لئے اسے چھوڑ کر قرآن و حدیث کی تدریس شروع کردی۔ میرے دوستوں میں ایک مولانا محمد یوسف بنوری تھے جن کے ساتھ میری پچاس برس کی دوستی تھی۔ مگر درمیان میں سیاسی خیالات میں کچھ اختلاف ہوگیا۔ پھر بھی ان کی زندگی میں ان کی رفاقت میرے لئے زندگی کا سہارا تھی۔ گذشتہ سال ان کا انتقال ہوگیا۔ اور کچھ دنوں کے بعد میری اہلیہ کا بھی انتقال ہوگیا۔ زندگی ہے مگر رفقائے قدیم کی علیحدگی کا صدمہ ناقابل برداشت ہے۔

مولانا عبدالقیوم پوپلزئی سخت بیماری میں صاحب فراش ہیں۔ ان کے شاگردوں میں الطاف حسین کا تیس برس پہلے انتقال ہوچکا تھا۔ مولانا غلام غوث صاحب کے ساتھ دوستی تھی وہ سخت اختلاف کی وجہ سے بالکل ختم ہوگئی۔

"میرے چار لڑکے ہیں ایک حافظ قرآن اور عالم دین ہے۔ گذشتہ سال کی تحریک جو بھٹو کے خلاف تھی اور اس سے پہلے "ختم نبوت" کی تحریک میں بڑا نام پیدا کیا تھا۔ عملاً مولانا مودودی صاحب کی جماعت سے رابطے ہیں۔ اس کے علاوہ اس سے چھوٹا لڑکا نابینا ہے۔ تیسرا لڑکا خلیج عرب ریاست متحدہ امارات عربیہ میں ہسپتال کے بڑے ڈاکٹر ہیں۔ سب سے چھوٹا لڑکا بھی ابوظہبی میں منسلک ہے۔ اور پرسوں اس کی شادی ہوئی ہے"۔

عملاً نصف صدی تک "سرخپوش تحریک" کی اعانت کرتا رہا لیکن جب سے افغانستان میں کمیونسٹ انقلاب

آگیا ہے۔ اور بوڑھے خان صاحب (سرحدی گاندھی) جو قبر میں پاؤں لٹکائے ہوئے ہیں آخری وقت میں کمیونسٹوں کی امداد کر رہے ہیں۔ اور کابل میں مقیم ہیں اس لئے ان سے سخت نفرت دل میں پیدا ہو گئی ہے۔ باقی پاکستان میں موجودہ حکومت مسٹر جناح کے بعد پہلی مرتبہ صحیح حکومت قائم ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس ملک پاکستان کو دین کے ایسے ہمدرد حکمران نصیب کرے۔ قوم کے اخلاق کو "بھٹو" بری طرح تباہ کر چکا ہے۔ ہر شخص دولت جمع کرنے کی فکر میں ہے۔ خواہ حلال ہو یا حرام۔ بے حیائی اور مادر پدر آزادی "بھٹو" نے زیادہ کر دی ہے۔"

" پاکستان میں قادیانی (احمدی) کمیونسٹ اور سوشلسٹ وغیرہ سب ملک کو تباہ کرنے کی فکر میں ہیں۔ افغانستان سے تقریباً ایک لاکھ افراد وزیرستان۔ چترال۔ باجوڑ اور صوبہ سرحد میں ہیں۔ جو کمیونسٹوں کے ڈر سے اپنا دین اور ایمان بچانے کے لئے آگئے ہیں۔ اگر افغانستان لوگوں سے روپیہ اور سرمایہ نہ چھینیں تو کم از کم ایک تہائی افغان بھاگ کر پاکستان میں آجائیں۔"

" ہم کو تقسیم وطن کے وقت یہ اندازہ نہ تھا کہ اس طرح دونوں ملکوں میں علیحدگی ہو جائے گی۔ میرا بچپن دہلی میں گذرا ہے محلہ بلی ماراں کے حقانی منزل میں کئی سال بچپن کے گذار چکا ہوں۔ اور کوچہ رحمان کی مسجد میں نماز پڑھنے جایا کرتا تھا۔ اور پڑھنے کے لئے کشمیری دروازہ کے مدرسہ امینیہ میں حضرت علامہ مفتی اعظم مفتی کفایت اللہ کے پاس جایا کرتا تھا۔ خان والاشان اور غازی احرار و کمروا اس سے زیادہ کیا لکھوں اپنی زندگی کے نشیب و فراز مختصر طور پر لکھ دئے ہیں۔ کبھی کابل جاتے ہوئے سرحد سے گزر ہو تو جہانگیرہ بھی تشریف لائیے۔ دہلی کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر کے استاد خاقان ہند محمد ابراہیم ذوقؔ نے دیرینہ ہمدردوں کے بارے میں خدا جانے کس حالت میں لکھا اور کہا تھا۔

اے "ذوقؔ" کسی ہمدم دیرینہ کا ملنا
بہتر ہے ملاقات مسیحا و خضر سے

غازیؔ جیسے ہمدم دیرینہ سے جہانگیرہ میں ملاقات ہوگی تو مسیحا و خضر کی ملاقات کا لطف حاصل ہوگا۔ اور شیخ محمد ابراہیم ذوقؔ کے علاوہ اور بہت سی پرانی یادیں تازہ ہوں گی۔ والسلام۔

مخلص قدیم محمد لطف اللہ جہانگیرہ۔

نوٹ :- مولانا لطف اللہ صاحب کا مندرجہ بالا مکتوب اس زمانہ کا ہے جب کہ خان عبدالغفار خان سرحدی گاندھی جلال آباد (افغانستان) میں تھے۔ اب تو صوبہ سرحد (پاکستان) میں آگئے ہیں۔ اور ان کے موقف میں شاید تبدیلی آگئی ہوگی۔

۲۷ رمضان ۔ عہد پاکستان اور مجلس شوریٰ کو مبارک باد | یوم نزول قرآن ۔ یوم قیام پاکستان ۔ یوم حریت

اس موضوع پر ملک گیر تحریک کا عنوان بدیہی طور پر یہ تھا۔ اور لازماً یہ ہے کہ پوری ملت پاکستانیہ اس مقدس تعلق کو سمجھے کہ جو یوم نزول قرآن (۲۷ رمضان) اور قیام پاکستان میں بفضل ایزدی ہے یہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ پاکستان اس شب عالم وجود میں آیا۔ اور منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوا۔ کہ وہ شب نزول قرآن کی ہے۔ ۲۷ رمضان المبارک۔

اس مقدس تعلق اور اس آفاقی فیصلے کا احترام ہر فرد ملّت کا حق بھی ہے اور اس کا فرض بھی۔ اس احترام کا بدیہی اور صریحی تقاضا یہ ہے کہ ہم قلب و نظر کی پوری توانائیوں کے ساتھ اور یقین و ایمان کی پوری طاقتوں کے ساتھ ۱۴ اگست کو رد کردیں اور ۲۷ رمضان کو یوم آزادی پاکستان منائیں۔

مجھے یقیناً اطمینان ہے اور مسرت کہ آج صورت حال یہ ہے کہ ۱۴ اگست کو ہر فرد ملت نے رد کردیا ہے۔ اور وطن پاک کا ہر صاحب ایمان و اسلام ۲۷ رمضان المبارک کو یوم آزادی قرار دینے کے حق میں اپنی رائے دے چکا ہے بمسرت بالائے مسرت یہ اور احترام بالائے احترام یہ کہ مجلس شوریٰ ملی میں فکر و نظر کی اس عظمت اور قلب و نظر کی اس رفعت کو سلام کرتا ہوں اور آپ کی خدمت میں ارمغان تبریک پیش کرتا ہوں اور ہدیہ تشکر و امتنان۔

انشاءاللہ تعالیٰ اب ہم برکات آفاقی سے فیض یاب ہوں گے۔ اور نفاذ شریعت اسلامی کی راہیں اب کشادہ ہوں گی۔ اور وہ معاشرہ حقیقی قائم ہو گا جس کا تصوّر قرآن حکیم نے دیا ہے اور سنّت نبوی نے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائیں

بہ احترامات فراواں — آپ کا مخلص حکیم محمد سعید۔ ہمدرد کراچی

سائنسی علوم اسلامی پس منظر میں بین الاقوامی سیمینار کا پالیسی بیان

غالباً آپ کے علم میں ہو گا کہ گزشتہ سال نومبر میں اسلام آباد میں ایک بین الاقوامی کانفرنس ہجرہ کمیٹی اور وزارت سائنس کے زیر اہتمام منعقد ہوئی۔ جس کا موضوع تھا " سائنس کا اسلامی تمدن میں ماضی، حال اور مستقبل " مجھے اس کانفرنس کے انتظامات کے سلسلہ میں اس کا سکریٹری جنرل ہونے کا شرف حاصل رہا۔

اس کانفرنس میں کم و بیش ۳۰ مختلف ممالک کے ۲۵۰ سے زائد مندوبین شریک ہوئے تھے۔ نیز مقالات پڑھنا۔ باہمی مذاکرہ اور تبصرے پانچ روز تک جاری رہے۔ اس کے نتیجہ میں کئی سفارشات اور ایک مفصل بیان بعنوان " سائنس علم اسلامی پس منظر میں " طے پایا۔ چونکہ یہ بیان تمام مسلم اُمہ کے مسائل کے لئے اہمیت رکھتا ہے۔ لہٰذا اس کے اردو ترجمہ کی ایک نقل آپ کی خدمت میں ارسال کر رہا ہوں استدعا ہے کہ آپ اس کا مطالعہ فرما کر اس کے بارے میں اپنی صائب رائے سے مستفیض فرمائیں گے تاکہ اس کی خامیوں اور کمزوریوں پر نظر ثانی کی جا سکے اور اس کو امت کے مستقبل کے لئے مفید تر بنایا جائے۔ مظہر محمود قریشی۔ اسلام آباد

اسلامی تمدن میں سائنس کے موضوع پر پاکستان میں ۱۳ تا ۱۸ صفر ۱۴۰۴ھ بمطابق ۱۹ تا ۲۴ نومبر ۱۹۸۳ء کو جو بین الاقوامی کانفرنس منعقد ہوئی اس میں حصہ لینے والے مسلم سائنسدان یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ زمین پر انسانی زندگی کا مقصد اپنے خالق کے احکام کی بجا آوری ہے۔ نیز انسان کا یہ فریضہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں جو طریقہ کار (سنّت) کارفرما ہے اس کے بارے میں مستقل تحقیق و تلاش جاری رکھے۔

مزید برآں یہ اعتراف کرتے ہوئے کہ ہمارا سیارہ (زمین) پر انسان کا مستقبل خطرے میں ہے کیونکہ سائنس علم کے استعمال اور تحقیق کے واضح طور پر غلط طریقہ کار کی وجہ سے ہمارے دور میں اس کا براہِ راست تعلق حکومتوں، نسلوں اور لسانی گروہوں کی برتری قائم کرنے کے لئے مادی وسائل اور فوجی قوت کے حصول سے وابستہ ہو گیا ہے۔

ہم اس بات کی اشد ضرورت سمجھتے ہیں کہ نسلِ انسانی کی فلاح کے لئے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں سائنس کے علم کی تحقیق کی سمت اور استعمال کے حقیقی مقصد کو ریکارڈ پر لایا جائے۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل امور قابلِ لحاظ ہیں۔

اللہ تعالیٰ کائنات کا پیدا کرنے والا اور اس کو قائم رکھنے والا ہے۔ اور اس کے آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز کو انسان کے لئے مسخر کر دیا ہے۔

قرآن کریم انسانوں کو مطالعہ، مشاہدہ اور تحقیق کی اور اللہ کی آیات اور اس کے طریقہ کار (سنت) کو جو اس کی تخلیق میں کارفرما ہیں سمجھنے کی دعوت دیتا ہے۔

علم لامحدود ہے اور اشیاء کی مکمل تفصیل اور منتہا فطرت صرف اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے۔

علم اللہ تعالیٰ کے فضل اور توفیق سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ انسان پورے خشوع و خضوع کے ساتھ وحی کردہ صداقت کی روشنی میں اس کی تخلیق کے مفہوم اور مقصد کا ادراک کرے۔

آخری رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے علم کے حصول کو ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہونا بتایا ہے اور قرآن کریم میں خود رسول اکرمؐ کو یہ دعا کرنے کا حکم ہے کہ اے اللہ میرے علم میں اضافہ فرما۔

توحید یعنی وجودِ باری کی یکتائی کا مطلب زندگی کی وحدت بھی ہے

اور اس نظریے کے تحت یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ زندگی کا پورا نظام ایک ہی قانون کے مطابق چل رہا ہے اور اس کا فہم مومن کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے میں مدد دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے علم کو انسان کے وسیع مفادات کا منبع بنایا ہے۔ اور انسان کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ تمام علم

انسانی زندگی کی بہتری کی خاطر مفید مقاصد کے لئے استعمال کیا جائے۔

اسلامی تعلیمات کے ذریعے پروان چڑھا ہوا نظریۂ کائنات ابتدائی صدیوں میں علم کی تلاش کے سلسلے میں منبع فکر کا سب سے بڑا محرک ثابت ہوا تھا۔

اس لئے زندگی کی بہتری کی خاطر سائنس کا علم حاصل کرنے کے لئے حکمت عملی کے طور پر یہ ثابت ہے کہ مندرجہ ذیل باتیں تسلیم کرنے، اختیار کرنے اور محسوس کرنے کی ضرورت ہے:

۱۔ کہ انسان کو تمام علوم، بشمول سائنسی علوم کی جستجو اور استعمال کا مقصد تخلیق کا مطالعہ کرکے اس سے واقف ہو کر اس کو ملحوظ کرکے اور اس میں حسن پیدا کرکے قادر مطلق کی خوشنودی حاصل کرنا ہے۔ ۲۔ انجام کار ایک وحدت ہے جو ان تمام چیزوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ جو انسان اپنے اور اپنے چاروں طرف کائنات کے بارے میں مسلسل سیکھتے رہتے ہیں۔ ۳۔ علم کے تمام شعبے اللہ الواحد کے طریق کار (سنت) کی تحقیق کے نتیجے میں حاصل ہونے کی وجہ سے سائنس جو کہ ایک مربوط علم ہے ایک متحد کرنے والا پس منظر رکھتا ہے۔ جو کہ ایک ہی فرد میں سائنس کی جستجو اور نیکی کی جستجو کو جمع کرنے والا ہے۔ ۴۔ یہ اللہ ہی ہے جو انسان کو علم سے نوازتا ہے اور چاہتا ہے کہ وہ فطرت کا مشاہدہ کرے۔ اس میں غور و فکر کرے۔ اور اس کے بارے میں استدلال کرے اس لئے وحی سے معلوم شدہ صداقت اور انسانوں کے حاصل کردہ علم میں مطابقت مسلم ہے۔

۵۔ مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ ایک سنجیدہ مقصد کو اپنے پیش نظر رکھتے ہوئے علم حاصل کریں اور وہ مقصد ہے اللہ تعالیٰ کی توحید مطلق پر ایمان اور انسانیت کی مجموعی بہبود کا فروغ۔

۶۔ علم کا حصول جس میں سائنس کا علم بھی شامل ہے ہر مسلم کا ایک دینی فریضہ ہے۔ اور اس کو گہوارے سے لحد تک مسلسل علم حاصل کرتے رہنا چاہیئے۔ اور جہاں سے بھی حاصل ہو سکے وہاں اس کی جستجو کرنی چاہیئے۔

۷۔ تمام قدرتی وسائل اللہ تعالیٰ کی امانت ہیں۔ اور انسان انفرادی اور اجتماعی طور پر ان وسائل کا امین ہے۔ اور یہ کہ انسان کی جدو جہد اور اس کی جزا کا تعین اس امانت کے ڈھانچے کے سیاق و سباق کے اندر کیا جاتا ہے۔

۸۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق علم کی تدوینِ نو اور ترقی مسلم امت کے لئے ایک ناگزیر مشغلہ ہے اور یہ کہ مومنوں کو تدوین نو کا کام اس انداز سے کرنا چاہیئے جس سے فطرت کی فہم اور اس کے استعمال کا مقصد انسانیت کی بہتری اور بہبودی ہو۔ ۹۔ مسلمانوں کو سائنسی تحقیق کا کام تخلیق میں اللہ تعالیٰ کے طریق کار (سنت اللہ) کا سراغ لگانے کے لئے یعنی عبادت کے لئے ایک عمل کے طور پر اپنی اور لوگوں کی اسلامی وحدت کے اظہار کے لئے کرنا چاہیئے۔ ▬

رُوحِ فکر
انسان وقت کے دھارے پر بہتا جاتا ہے
اور حالات کے ہاتھوں بے بس ہے
لیکن کوئی دھن کا پکا اپنی سمت خود مقرر کرتا ہے،
ہمت نہیں ہارتا اور ہاتھ پیر مارے جاتا ہے
اور پھر منزل اس کے قدم چوم لیتی ہے
باشعور انسان اپنی زندگی خود بناتے ہیں اور جب
ایک ہی وقت میں ایک ہی لگن کے ساتھ ایسے انسانوں کی
بڑی تعداد ایک ہی منزل کی طرف بڑھتی ہے
تو قوم کی تاریخ بدل جاتی ہے۔ ۲۷ رمضان المبارک کو
پاکستان کا قیام اس حقیقت کا شاہد ہے
تاریخ قوموں کے عروج و زوال کی داستان ہے
ہر عروج کا پس منظر ایک ہی ہے
عمل اور مسلسل عمل، جدوجہد اور پیہم جدوجہد
اور ہر زوال عزم اور عمل کے فقدان کا نوحہ ہے
اپنے عزم و عمل سے تاریخ کا رُخ بدل دیجیے
رُوحِ تاریخ کو سمجھیے
Rooh Afza
روح افزا
ہمدرد
ہم خدمت خلق کرتے ہیں
Adarts
HRA–1/84

شفیق فاروقی
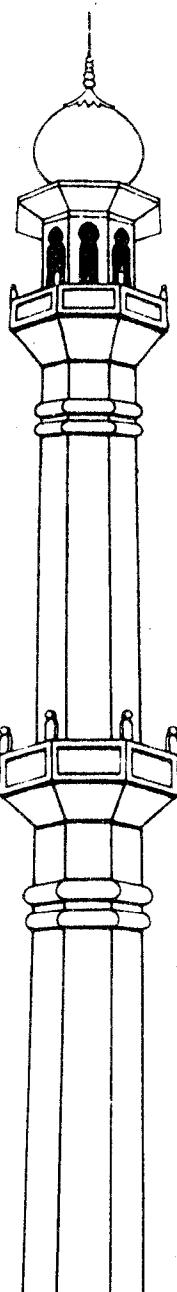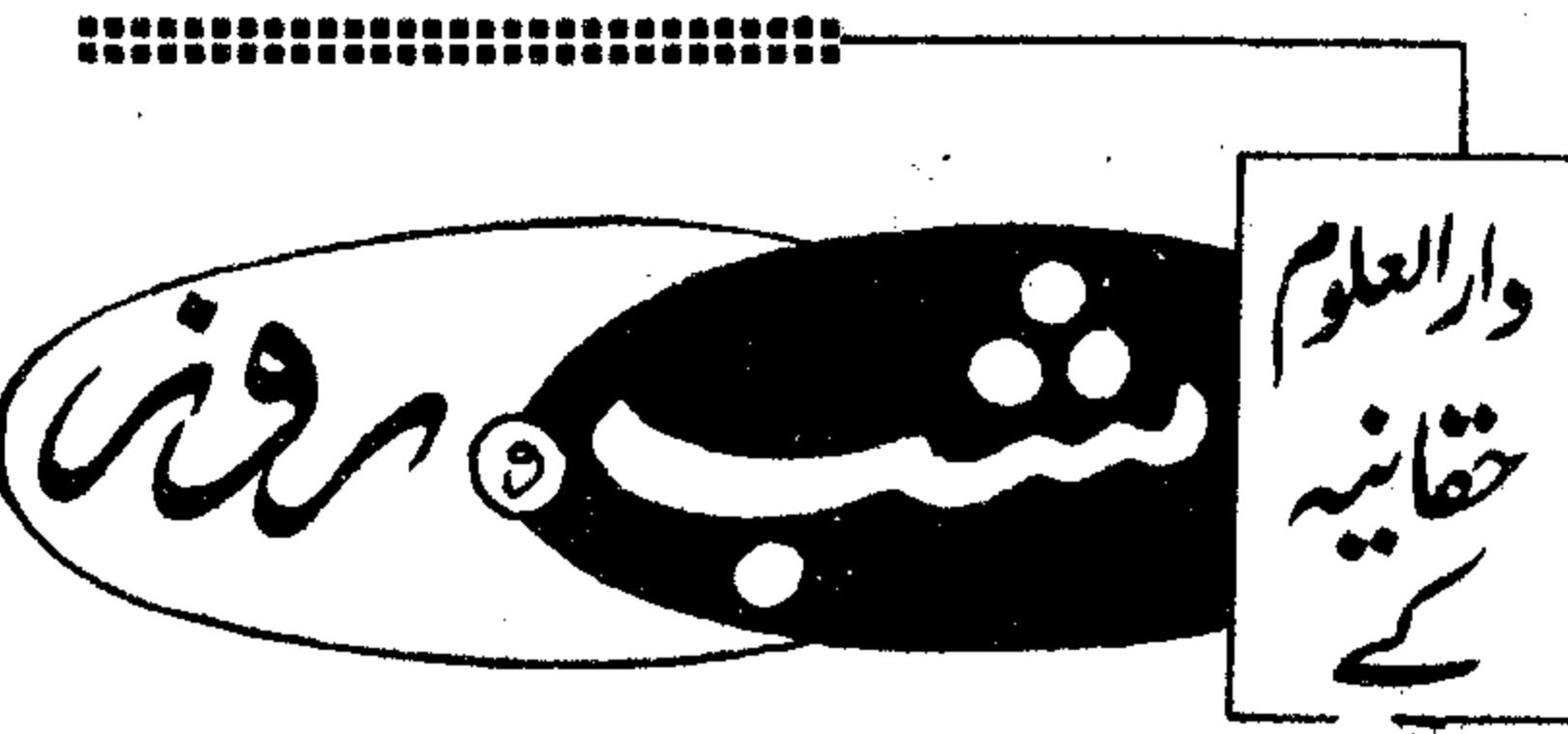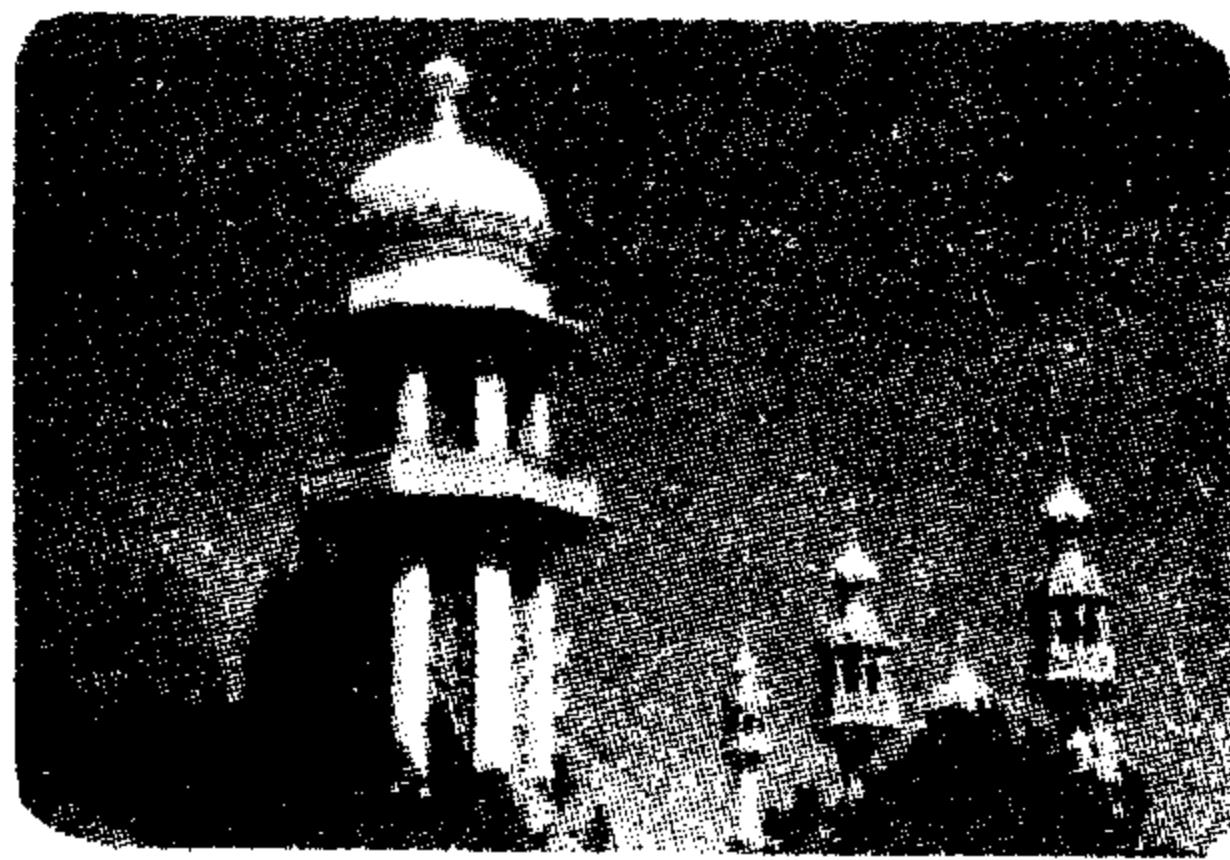
ناظم اعلیٰ دارالعلوم مولانا سلطان محمودؒ کی وفات ۹ مئی - دارالعلوم کے ناظم دفتر اہتمام حضرت مولانا سلطان محمودؒ انتقال فرما گئے - اس حادثۂ جانکاہ کی خبر قرب و جوار کے تمام علاقوں میں پھیل گئی - ریڈیو ٹی وی اور اخبارات کے ذریعہ یہ خبر پورے ملک میں نشر ہوئی -

مرحوم ناظم صاحب اپنی بے لوث خدمات اور بے ریا کردار کی وجہ سے علمی و دینی حلقوں اور بالخصوص دارالعلوم حقانیہ سے وابستہ حلقے میں بے حد مقبول و محبوب تھے - یہی وجہ تھی کہ ان کے جنازہ میں نہ صرف علاقہ بلکہ سرحد کے دور دراز سے صلحاء، علماء، مشائخ اور طلبہ علوم دینیہ اور ہزاروں مسلمان فوراً پہنچ گئے - مرحوم کی نماز جنازہ میں شرکت کی غرض سے مخلوق کا سیلاب تھا جو امڈ آیا - ہر شخص تجہیز و تکفین اور آخری دیدار کی سعادت حاصل کرنا چاہتا تھا - سب نے نماز عصر جامع مسجد دارالعلوم میں ادا کی - اکابر کے مشورہ سے آپ کے جنازہ کو گھر سے لاکر دارالعلوم کے صحن میں دارالحدیث کے سامنے رکھ دیا گیا - لوگوں کے بے پناہ ہجوم کے باوجود اکثریت نے آخری دیدار کی سعادت حاصل کر لی - بہت سے حضرات مشرقی و مغربی درسگاہوں کی چھتوں پر چڑھ کر آخری دیدار کا شرف حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہے -

ادھر حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کو مسجد سے عید گاہ پہنچا دیا گیا تھا - جہاں پہلے سے لوگوں کا ایک بہت بڑا ہجوم جنازہ کا منتظر تھا - آخری دیدار کرا لینے کے بعد آپ کا جنازہ عید گاہ میں لایا گیا - حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے نماز جنازہ پڑھائی - اور دارالحفظ کے سامنے نئے قبرستان میں آپ کی تدفین ہوئی اور اس طرح خدا تعالیٰ نے حضرت ناظم کی ایک دیرینہ تمنا پوری کر دی - کیونکہ جب اس نئے قبرستان کی تعیین ہوئی تھی تو حضرت ناظم صاحب نے فرمایا تھا - کاش! اس نئے قبرستان میں مجھے بھی جگہ مل جائے اور اب جہاں مدفون ہیں کچھ عرصہ قبل یہ خواب دیکھا تھا کہ آپ کے مدفن کے متصل دارالحفظ سے آسمان تک نور کی شعاعیں ابھر رہی ہیں -

جب تدفین سے فراغت ہوئی تو حضرت شیخ الحدیث مدظلہ عیدگاہ کی دیوار پر آپ کی آخری آرام گاہ کے سرہانے دو آدمیوں کے سہارے بیٹھ کر مختصر خطاب فرمایا۔ اور حضرت ناظم صاحب مرحوم کو دارالعلوم کی عظیم خدمات کے سلسلہ میں زبردست خراج تحسین پیش کیا۔

قبر کے سرہانے مولانا قاری محمد امین صاحب راولپنڈی اور بائنتی مولانا عزیز الرحمان فاضل حقانیہ راولپنڈی خلیفہ مجاز شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ نے تلاوت فرمائی۔

آپ کے یوم وفات سے لے کر آج تک ملک کے دور دراز علاقوں سے علماء و مشائخ کے علاوہ عمائدین، شرفاء اور معززین تعزیت کے سلسلہ میں دارالعلوم تشریف لا رہے ہیں۔ ملک بھر سے مدارس عربیہ بالخصوص فضلائے دارالعلوم حقانیہ نے ختم کلام پاک اور ایصال ثواب و دعائے مغفرت کی اطلاعیں دیں اور تعزیتی خطوط بھیجے۔ افغان مجاہدین کے مرکزی قائدین اور بڑے بڑے وفود بھی تشریف لاتے رہے ہیں۔ ادارہ الحق، دارالعلوم حقانیہ اور حضرت شیخ الحدیث مدظلہ ایسے تمام احباب و متعلقین کے بے حد شکر گذار ہیں جنہوں نے ناظم صاحب مرحوم کے حادثہ جانکاہ میں حضرت شیخ اور دارالعلوم کے ساتھ رنج و غم میں برابر شریک ہونے کا اظہار کیا اور تعزیت فرمائی۔

تقریب ختم بخاری ۳ مئی۔ دارالعلوم میں ختم بخاری کی تقریب منعقد ہوئی۔ تاریخ کی تشہیر نہیں کی گئی مگر پھر بھی یہ اطلاع پھیل گئی تھی۔ اور مخلصین و متعلقین اور قرب و جوار کے علماء و فضلاء کا ایک بڑا مجمع ہو گیا۔ عصر کے بعد دارالعلوم کی مسجد میں ختم بخاری ہونا تھا۔ جب کہ اس سے قبل دارالحفظ والتجوید کے طلبہ کی اپنے اساتذہ کی نگرانی میں ایک تربیتی نشست ہوئی۔ جس میں حفظ و قرات کے علاوہ ان طلبہ کے درمیان اردو، فارسی اور عربی میں تقریریں اور مکالمے ہوئے اور باہر سے آئے ہوئے مہمان طلبہ کی اعلیٰ صلاحیتوں کے مظاہرے اور اساتذہ کی تعلیم و تربیت سے حد درجہ متاثر ہوئے۔ اور دینی و روحانی حظ حاصل کیا۔

نماز عصر کے وقت حضرت شیخ الحدیث مدظلہ تشریف لائے۔ نماز عصر کے بعد اولاً دارالحفظ سے اس سال مکمل حفظ کرنے والے طلبہ کی دستار بندی ہوئی۔ اور ساتھ ہی دارالعلوم کی جانب سے کامل حفظ کی سندات تقسیم کی گئیں۔

حضرت شیخ الحدیث اور اکابر اساتذہ اپنے ہاتھوں سے طلبہ کے سر پر پگڑی باندھتے اور سند عطا فرماتے اس کے بعد شیخ الحدیث مدظلہ نے صحیح بخاری کی آخری حدیث کا مفصل درس دیا۔ الوداع ہونے والے دورۂ حدیث کے طلبہ کو نصائح اور مستقبل کی ذمہ داریوں سے متعلق خصوصی ہدایات دیں۔ گھنٹہ سوا گھنٹہ کے اس خطاب کو مولانا سمیع الحق صاحب نے خود اسی وقت قلم بند کر لیا ہے الحق میں شائع ہو گا انشاء اللہ

نمازِ مغرب سے تھوڑا وقت باقی تھا کہ یہ مبارک تقریب اختتام کو پہنچی۔

★ شیخ الحدیث مدظلہ کے اسفار | مئی کے اوائل میں دارالعلوم مجددیہ تجوید القرآن کی جامع مسجد کی بنیاد رکھنے کے سلسلہ میں مولانا غریب اللہ صاحب فاضل دیوبند کی دعوت پر مانکی تشریف لے گئے۔ آپ کی آمد کی اطلاع چونکہ تمام علاقے میں پھیل گئی تھی۔ علماء، فضلاء، اور مخلصین کا بے پناہ ہجوم تھا۔ سب حضرت کو ایک نظر دیکھنے کے لئے بے تاب تھے۔ بعد نمازِ عصر مسجد کا سنگِ بنیاد رکھا اور مغرب کو واپسی ہوئی۔

★ ۱۱ مئی دارالعلوم حقانیہ کے ایک نوجوان فاضل مولانا عبدالبصیر شاہ صاحب کی دستار بندی کا پروگرام تھا جس کی تقریب شب قدر میں ہونی تھی۔ حضرت کی شرکت کی اطلاع سے پورا علاقہ امڈ آیا تھا۔ بے پناہ ہجوم تھا۔ وہی اپنے کو خوش نصیب سمجھ رہا تھا جس نے زائرین و مخلص کے بے پناہ ازدحام میں حضرت کو ایک نظر دیکھنے کی راہ نکال لی۔

اس تقریب میں حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب مدظلہ، مولانا انوار الحق صاحب اور دیگر کئی اساتذہ دارالعلوم بھی حضرت مدظلہ کے ساتھ شریک رہے۔

★ تعطیلات و درس قرآن | ۱۰ شعبان سے سالانہ تعطیلات کی وجہ سے دارالعلوم میں درس نظامی کے تمام تعلیمی شعبے بند ہو گئے ہیں۔ البتہ دفاتر، دفتر اہتمام، ماہنامہ الحق، مؤتمر المصنفین، دارالافتاء اور کتب خانہ حسب سابق اپنا کام کر رہے ہیں۔ شعبہ دارالحفظ میں باقاعدہ تعلیمی کام جاری ہے۔

علاوہ ازیں اس سال ۱۵ شعبان سے ترجمہ قرآن مجید۔ دورۂ تفسیر کی صورت میں باقاعدہ طور دارالحدیث میں پڑھایا جا رہا ہے۔ جس میں فضلاء اور طلبہ کی ایک جماعت شریک ہے۔ یہ خدمت دارالعلوم کے دو اساتذہ مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب اور مولانا عبدالقیوم صاحب حقانی انجام دے رہے ہیں۔

⦿⦿⦿

امسال کے صوبہ سرحد میں
ہمارے مقرّر کردہ

ڈیلرز

۱۔ خلیل الیکٹرک سٹور، صدر، پشاور۔
۲۔ طاہر الیکٹرک سٹور، خواجہ گنج، ہوتی مردان۔
۳۔ اتحاد کمبل ہاؤس، بٹ خیلہ بازار، بٹ خیلہ۔ فون ۶۱۴
۴۔ رسعید ٹرنک ہاؤس، بازار نمرگرہ، ضلع دیر۔ فون ۱۱۴
۵۔ شہزاد اینڈ برادرز، کیولری روڈ، کینٹ، بازار نوشہرہ صدر
۶۔ عوامی الیکٹرک اینڈ سینیٹری سٹور۔ بنوں۔
۷۔ صاحبزادہ محمد ادریس، حاجی فرید گل ایگنہ مرچنٹ
تور ڈھیر، تحصیل صوابی، ضلع مردان۔

- سیلنگ
- ٹیبل
- پیڈسٹل
- ٹیبل کم پیڈسٹل
- ایگزاسٹ
- اور موٹریں

ملک بھر میں مقبول اور کامیاب
تسکین و آرام کے ضامن

کم خرچ

بالانشین

منجانب بورڈ آف ڈائریکٹرز

ESTD. 1936
S.A
FANS & MOTORS
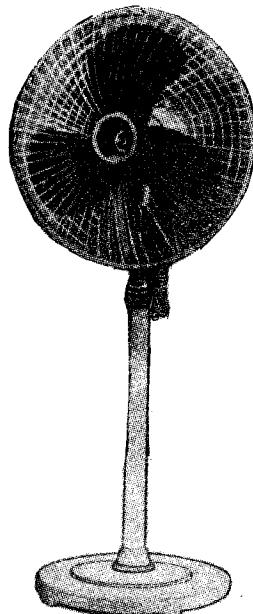
فون ۔ 4700
گرام ۔ ESSAYFAN

ایس اے الیکٹریکل انڈسٹریز لمیٹڈ
جی ٹی روڈ گجرات

يا أيها الذين آمنوا اتقوا الله
حق تقاته ولا تموتن
إلا وأنتم مسلمون واعتصموا
بحبل الله جميعا ولا تفرقوا

REGD-NO.P-90

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ

شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۙ

وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ۝

(پارہ ۲۲ سورۃ الاحزاب رکوع ۶ آیت ۴۵، ۴۶)

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیشک ہم نے آپ کو اس شان کا رسول بنا کر بھیجا ہے
کہ آپ گواہ ہوں گے اور آپ مومنوں کے بشارت دینے والے ہیں اور کفار کے
ڈرانے والے ہیں اور سب کو اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والے ہیں۔ اور
آپ ایک روشن چراغ ہیں۔

O Prophet ! truly We have sent thee
as a Witness, a Bearer of glad
tidings, and a Warner, and as
one who invites to Allah's (Grace)
by his leave. And A Lamp Spreading Light

Karachi Port Trust

The Port of Pakistan